کر دیا لیکن حضرت زبرقانؓ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ حق پر قائم رہے اور اپنے قبیلہ بنو سعد کو بھی اس میں مبتلا نہ ہونے دیا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے اس پر آشوب دور میں بھی حسب دستور اپنے قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کی اور اسے بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا۔ خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے اخلاص اور استقامت سے بہت خوش ہوئے اور ان کا اعزاز اور مرتبہ برقرار رکھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی حضرت زبرقانؓ بنو سعد کی امارت پر فائز رہے۔ ایک مرتبہ وہ زکوٰۃ کی رقم لے کر مدینہ منورہ آرہے تھے کہ راستے میں نامور شاعر حطیہ مل گیا۔ دورانِ گفتگو میں اس نے بتایا کہ میں صحرا کی زندگی سے تنگ آچکا ہوں، اب عراقِ عرب جارہا ہوں تاکہ وہاں کے نعائم سے متمتع ہو سکوں۔ حضرت زبرقانؓ عیش و آرام کی زندگی کو ناپسند کرتے تھے اور اس پر صحرا کی بود و باش اور سادہ زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ انہوں نے حطیہ کو عراقِ عرب جانے سے روک دیا اور اس سے کہا کہ وہ ان کی واپسی تک ان کے گھر مہمان کی حیثیت سے قیام کرے۔ حطیہ اس وقت تو لوٹ گیا لیکن اس کے دل میں حضرت زبرقانؓ کے بارے میں تکدر پیدا ہوگیا کہ انہوں نے اس کے شاعرانہ ولولے پورے نہ ہونے دیئے۔ چنانچہ اس نے ان کی ہجو کہہ ڈالی۔ حضرت زبرقانؓ چاہتے تو اس کا جواب دے سکتے تھے لیکن قبولِ اسلام کے بعد وہ اس قسم کی (ہجویہ) شاعری سے کنارہ کش ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ دربارِ خلافت میں حطیہ کی شکایت کریں۔ حطیہ کے اشعار اس قسم کے تھے کہ بظاہر ان پر ہجو کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ حضرت زبرقان کی شکایت پر تذبذب میں پڑ گئے اور انہوں نے شاعرِ رسول اللہؐ حضرت حسانؓ بن ثابت سے رائے طلب کی کہ حطیہ کے اشعار پر ہجو کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ یہ ہجویہ اشعار ہی ہیں۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حطیہ کو قید کر دیا۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے کہ چند دن بعد حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے حطیہ کی رہائی کی سفارش کی۔ حضرت عمر فاروقؓ ان جلیل القدر

صحابہؓ کا بہت لحاظ کرتے تھے انہوں نے ان کی بات مان لی اور حطیہ کو آئندہ کے لیے توبہ کرا کے رہا کر دیا۔

حضرت زبرقانؓ حق بات کہنے میں بہت جری تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد کے نامور گورنر زیاد بن ابیہ نے ایک مرتبہ لوگوں پر بہت سختی کی تو وہ اس کے پاس گئے اور برملا کہا کہ لوگ تمہاری سختیوں سے نالاں ہیں اپنا ہاتھ ان سے روکو۔

حضرت زبرقانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں البتہ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت تک ان کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اگر کبھی انہیں مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا تو اپنے چہرے پر ڈھاٹا باندھ لیتے تھے تاکہ ان کے غیر معمولی حسن و جمال پر لوگوں کی نظر نہ پڑے۔

رضی اللہ تعالٰی عنہٗ
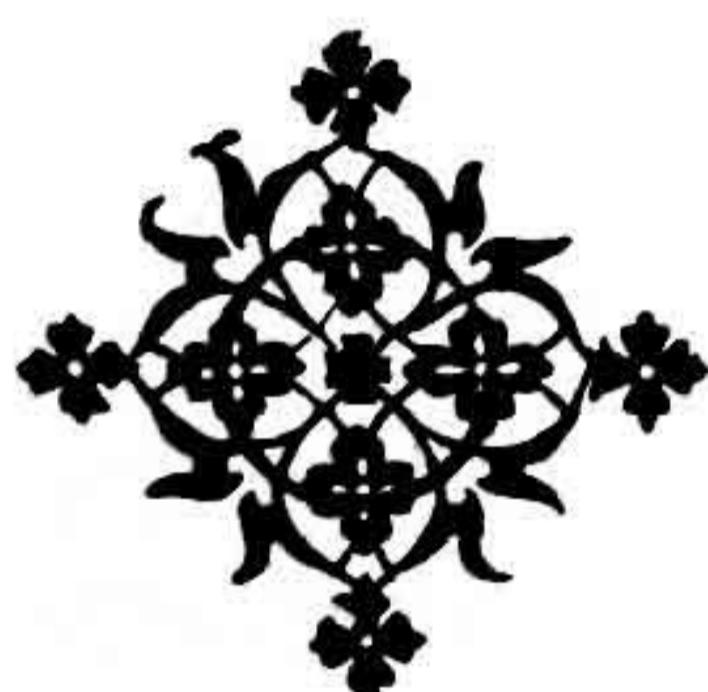
حضرت جارودؓ بن عمرو عبدی

(۴)

سنہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارد گرد کے بادشاہوں اور رئیسوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط منذر بن ساویٰ والی بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاءؓ بن عبداللہ حضرمی کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اہلِ بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی سعادتِ اندوزِ اسلام ہو گئی۔ عرب کا مشہور قبیلہ عبدالقیس بحرین ہی میں آباد تھا۔ یہ قبیلہ مدت سے نصرانیت قبول کر چکا تھا۔ بحرین میں اسلام کے قدم آئے تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے لیکن باقی اپنے مذہب پر قائم رہے۔

سنہ ۸ ہجری میں مکہ پر پرچمِ اسلام بلند ہوا تو دشمنانِ اسلام پر ہیبتِ حق طاری ہو گئی اور عرب کے کونے کونے سے مختلف قبائل کے وفود اظہارِ اطاعت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ سنہ ۹ ھ یا سنہ ۱۰ ھ میں قبیلہ عبدالقیس کے عیسائیوں نے بھی اپنا ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ بقول ابنِ سعدؒ یہ وفد بیس آدمیوں پر اور بقول حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ چالیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ وفد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو اس کے سردار نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہلے ہی ایک آسمانی دین نصرانیت کا پابند ہوں۔ اب آپ کے دین کے لیے اپنے دین کو چھوڑنے والا ہوں۔ کیا میرے تبدیلِ دین سے آپ میری نجات کے ضامن ہوں گے؟"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں میں ضامن ہوں۔ اسلام تمہارے دین سے بہتر ہے۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر رئیسِ وفد فوراً کلمۂ توحید پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کے ساتھ ہی دوسرے اراکینِ وفد نے بھی ایمان قبول کر لیا۔ حضورؐ کو ان کے قبولِ اسلام پر بڑی مسرت ہوئی اور آپؐ نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی۔ وفدِ عبدالقیس کے یہ سردار جن کو خود ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کی ضمانت دی اور جن کے قبولِ اسلام سے آپؐ بے حد مسرور ہوئے، حضرت جارودؓ بن عمرو تھے۔

(۲)

حضرت جارودؓ بن عمرو کا شمار اہلِ کتاب صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ اہلِ کتاب صحابہؓ سے وہ اصحابِ رسولؐ مراد ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے۔ حضرت جارودؓ کا اصل نام بشر تھا اور کنیت ابو منذر تھی۔ جارود ان کا لقب تھا۔ اس لقب نے اتنی شہرت پائی کہ اصل نام لوگ بھول گئے۔ کتبِ سیر میں ان کا نسب نامہ صرف اتنا ہی درج ہے:

بشر (جارودؓ) بن عمرو بن معلیٰ عبدی۔

بعض روایتوں میں حضرت جارودؓ کے والد کا نام حنش اور بعض میں "العلاء" بھی آیا ہے، شاید یہ ان کے والد کے لقب ہوں۔

حضرت جارودؓ قبیلہ عبدالقیس کے نہایت ذی اثر اور سربرآوردہ رؤسا میں سے تھے۔ وہ نہایت بہادر اور رُہم جُو آدمی تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے ایک دفعہ انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل پر چھاپہ مارا اور اس کے تمام مویشی اور مال و اسباب حتیٰ کہ سوئی سلائی تک لُوٹ کر لے گئے۔ "جرد" کے معنی "بے برگ و بار" کے ہیں اس لیے جارود ان کا لقب پڑ گیا۔ یہ واقعہ اتنا مشہور ہوا کہ بنو عبدالقیس کے لیے مایۂ افتخار بن گیا اور شعراء اپنے کلام میں حضرت جارودؓ کا نام ایک ہیرو کے طور پر پیش کرنے لگے مثلاً ایک شاعر

کہتا ہے :- فدسناھم بالخیل من کل جانب
کما جرد الجارود بکر بن وائل

یعنی ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ پامال کر ڈالا جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کر ڈالا تھا۔

حضرت جارودؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں جو روایت اوپر بیان کی گئی ہے یہ سیرۃ ابنِ ہشام سے ماخوذ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا :-

"جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔"

حضرت جارودؓ نے ندامت کا اظہار کیا اور عرض کی "یارسول اللہ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میں نے انجیل میں آپ کی صفات پڑھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی ہے۔"

پھر انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ اپنا دستِ مبارک تو پھیلائیں۔"

حضورؐ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا تو حضرت جارودؓ نے لپک کر اس کو تھام لیا اور کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے (تاریخ ابنِ عساکر)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جارودؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور انہیں انجیل پر بھی عبور حاصل تھا۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے بارگاہِ نبوی میں یہ اشعار ہدیۂ عقیدت کے طور پر پیش کیے :

(۱) ——— شھدت بان اللہ حق وسامحت
بنات فوادی بالشھادۃ والنھضی

(۲) ——— فابلغ رسول اللہ انی رسالۃ
بانی حنیف حیث کنت من الارض

(۳) ـــــــ واجعل لنفسی دون کل ملمة
لکم جنة من عوضکم عوضی

(۴) ـــــــ فان لم تکن داری بیثرب فیکم
فانی لکم عند الاقامة والخفض

یعنی (۱) میں نے شہادت دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا۔

(۲) میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصے میں بھی رہوں گا دینِ حنیف پر قائم رہوں گا۔

(۳) ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا۔
اے مسلمانو میری عزت تمہاری عزت کے لیے ڈھال ہے۔

(۴) اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے مگر میں اس عارضی اقامت میں بھی تمہارا ہی ہوں۔

شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد حضرت جارودؓ اور ان کے ساتھیوں نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا پھر انہوں نے وطن جانے کے لیے رختِ سفر باندھا۔ حافظ ابنِ قیمؒ نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ چلنے سے پہلے انہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کی:

"یا رسول اللہ ہماری کفالت کے لیے کچھ عنایت فرمائیے۔"
حضورؐ نے فرمایا: "اس وقت بیت المال خالی ہے۔"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ہمارے علاقے میں لاوارث اونٹ مارے مارے پھرتے ہیں کیا ان پر مالکانہ قبضہ جائز ہے؟"

ارشاد ہوا: "لاوارث اونٹ پر مالکانہ قبضہ دوزخ کی آگ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔"

ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ مدینہ سے چلتے وقت حضرت جارودؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے وفد کے لیے سواریوں کا انتظام کیا جائے۔ اس وقت حالات

کچھ ایسے تھے کہ ان لوگوں کے لیے سواریوں کا بندوبست نہ ہو سکا۔ اس پر حضرت جارودؓ نے عرض کیا :۔

"یا رسول اللہ ہمیں راستے میں دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی (یعنی آوارہ اونٹ ملیں گے) کیا ان کو پکڑ کر سوار ہونے کی اجازت ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہرگز نہیں۔ انہیں آگ سمجھو آگ۔"

غرض حضرت جارودؓ نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو کر وطن واپس گئے۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریرآرائے خلافت ہوئے۔ ابھی وہ اچھی طرح حالات کا جائزہ بھی نہ لینے پائے تھے کہ سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ قریشِ مکہ، مہاجرین وانصارِ مدینہ اور بنو ثقیف کے سوا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس فتنے سے تھوڑا بہت متاثر نہ ہوا ہو۔ صدیق اکبرؓ نے نہایت عزم وہمت اور قوتِ ایمانی کے ساتھ اس ہولناک فتنے کا مقابلہ کیا اور چند ماہ کے اندر اندر اس کو کچل کر رکھ دیا۔ اربابِ سیَر کا بیان ہے کہ قبیلہ عبدالقیس بھی فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آگیا لیکن حضرت جارودؓ نہ صرف پورے عزم وثبات کے ساتھ اسلام پر قائم رہے بلکہ سردارِ قبیلہ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اپنے اہلِ قبیلہ کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انہوں نے بحرین کے دوسرے لوگوں کو بھی اسلام پر قائم رہنے کی پُرزور تلقین کی۔ ان کی مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ گمراہ ہونے سے بچ گئے۔ جن لوگوں نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے اور مرتدین کے ساتھ مل گئے وہ نہایت عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔ خلیفۃ الرسولؐ نے حضرت علاءؓ بن عبداللہ حضرمی کو ایک مضبوط لشکر دے کر بحرین کی مہم پر مامور کیا تھا۔ حضرت علاءؓ نے بحرین پہنچ کر مرتدین کی ایسی سرکوبی کی کہ آئندہ وہ کبھی سر نہ اٹھا سکے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت قدامہؓ بن مظعون بحرین کے گورنر

ہو کر آئے۔ ایک دفعہ بعض رومیوں نے حضرت جارودؓ کو بتایا کہ ہم نے قدامہؓ کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ حضرت جارودؓ اپنے گورنر کی یہ لغزش گوارا نہ کر سکے اور سیدھے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی:

"امیر المؤمنین قدامہ نے شراب پی ہے اس پر حدِ شرعی جاری کیجیے۔"

حضرت عمرِ فاروقؓ نے شہادت طلب کی۔ حضرت جارودؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کا نام لیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا:

"میں نے خود تو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "صرف اتنی شہادت سے جرم ثابت نہیں ہوتا۔"

مزید تحقیقات کے لیے انہوں نے حضرت قدامہؓ کو بحرین سے طلب کیا۔ جب وہ آئے تو حضرت جارودؓ نے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تم گواہ ہو، مدعی نہیں ہو، تمہارا کام گواہی دینا تھا وہ تم دے چکے اب تم خاموش رہو۔"

اس وقت حضرت جارودؓ خاموش ہو گئے لیکن دوسرے دن پھر حضرت قدامہؓ پر حد جاری کرنے کے لیے اصرار کیا۔ شہادت ناکافی تھی اس لیے حضرت عمرؓ کو حضرت جارودؓ کا اصرار ناگوار گزرا اور فرمایا:

"جارود تم تو مدعی بنے جاتے ہو حالانکہ شہادت صرف ایک ہے۔"

اس پر حضرت جارودؓ نے کہا: "امیر المؤمنین میں آپ کو خدا کی قسم دلاتا ہوں، حد جاری کرنے میں دیر نہ کریں۔"

اس اصرار پر حضرت عمرؓ کو کچھ شبہ ہوا اور انہوں نے فرمایا:

"جارود تم اپنی زبان پر قابو رکھو ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔"

اس تنبیہ پر حضرت جارودؓ جوش میں آ گئے اور کہا:

"امیر المؤمنین، حق یہ نہیں ہے کہ آپ کا ابنِ عم شراب پیے اور آپ الٹے

مجھ کو سختی کی دھمکی دیں۔"

اس موقع پر حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ آپ کو شک ہو تو قدامہ کی بیوی کو بُلا کر پوچھ لیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ کی بیوی ہندہ کو بُلا کر پوچھا تو انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی تصدیق کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ سے فرمایا: "قدامہ حد کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

حضرت قدامہؓ نے عرض کیا: "امیرالمؤمنین اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے مطابق شراب پی بھی، تو آپ کو مجھ پر حد جاری کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

حضرت قدامہؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ (المآئدہ: ۹۳)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر پرہیز کیا اور نیکوکاری کی۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تم تاویل میں غلطی کر رہے ہو، تم کو قطعی حرام چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے تھا۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ پر حدِ شرعی جاری کرائی اور حضرت جارودؓ مطمئن ہو کر وطن واپس گئے۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ بعد حضرت جارودؓ نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی، وہاں سے وہ ان مجاہدین میں شامل ہو گئے جو ایران میں مصروف جہاد تھے۔ انہوں نے باختلافِ روایت فارس یا نہاوند کی لڑائی میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا منذر چھوڑا۔ اسی

کے نام کی نسبت سے ان کی کنیت ابو منذر تھی۔

حضرت جارودؓ اگرچہ عہدِ رسالت کے بہت آخر میں اسلام لائے تھے تاہم فضل و کمال سے تہی دامن نہ تھے۔ ان سے مروی چند احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں جن کو محمد بن سیرینؒ، ابو القموصؒ، ابو مسلم الجذمیؒ اور زید بن علیؒ نے روایت کیا ہے صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص نے ان سے روایت کی ہے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں یہ حدیث حضرت جارودؓ ہی سے مروی ہے:

"مؤمن کی گمشدہ چیز پر جس نے مالکانہ قبضہ کیا اس نے خود کو آگ میں جلایا۔"

اہلِ سِیَر نے حضرت جارودؓ کے اخلاص فی الدّین، حق گوئی، جرأت اور بے باکی کی بڑی تعریف کی ہے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

حضرت محمدؓ بن طلحہؓ

①
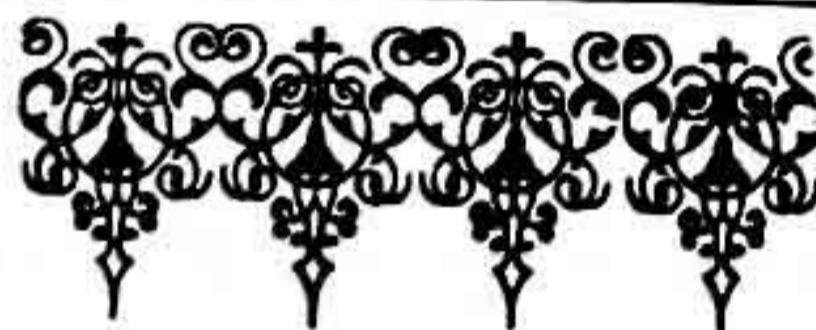
۴ھ یا ۵ھ کا ذکر ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر اس کا نام محمد رکھا اور اسے اٹھا کر حصولِ برکت کے لیے بارگاہِ رسالت میں لے گئے۔ حضورؐ نے پوچھا، اس کا نام کیا رکھا گیا ہے حضرت طلحہؓ نے عرض کی "محمد"۔ حضورؐ نے فرمایا، اچھا تو اس کی کنیت بھی (میری کنیت یعنی) ابو القاسم ہے۔ پھر آپؐ نے بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور اس کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ ابو القاسم محمدؓ بن طلحہؓ بڑے ہو کر اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل بنے اور زہد و عبادت میں اپنے غیر معمولی انہماک کی بناء پر خاصانِ خدا میں شمار ہوئے۔

②

حضرت ابو القاسم محمدؓ بن طلحہؓ کا تعلق قریش کے خاندان بنو تیم سے تھا اور وہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نسبتِ قریبہ رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمدؓ بن طلحہؓ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔

مرہ بن کعب پر ان کا نسب نامہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ ماں کا نام حمنہؓ بنتِ جحش تھا۔ ان کا شمار مشہور صحابیات میں

ہوتا ہے۔ وہ اُمّ المؤمنین حضرت زینب رضؓ بنتِ جحش کی حقیقی اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں ۔اس نسبت سے حضرت محمد رضؓ بن طلحہ رضؓ حضورؐ کے بھانجے تھے۔

صحابی باپ اور صحابیہ ماں کے آغوشِ تربیت میں پرورش پاکر حضرت محمد رضؓ بن طلحہ رضؓ محاسن اخلاق کے اعتبار سے ایک مثالی شخصیت بن گئے۔ اس کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ لوگوں میں "سجّاد" (بہت سجدے کرنے والا) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ تاریخِ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جن کو "سجّاد" کا لقب دیا گیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے بھائی حضرت زید رضؓ بن خطّاب کے پڑوتے کا نام بھی محمد تھا ۔ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت زید رضؓ کے پڑوتے کو پکار کر بُرا بھلا کہا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کو معلوم ہوا تو ان کو بُلا کر فرمایا کہ تمہارے نام کی وجہ سے "اسمِ محمد" کو سب و شتم کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ آج سے تمہارا نام "محمد" کے بجائے عبدالرحمٰن ہے۔

پھر انہوں نے حضرت طلحہ رضؓ کے لڑکوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا اور تمہاری اولاد میں سے جس جس کا نام محمد ہے اسے بدل دیا جائے۔ حضرت محمد رضؓ بن طلحہ رضؓ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر عرض کی :-

"امیرالمؤمنین میرے نام "محمد" کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔"

حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا، اگر یہ سچ ہے تو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسند کیے ہوئے نام کو میں نہیں بدل سکتا۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت محمد رضؓ بن طلحہ رضؓ کم سن تھے اور عہدِ شیخین رضؓ میں ان کا لڑکپن تھا اس لیے کوئی خاص کارنامہ دکھانے کا موقع نہیں ملا۔ حضرت عثمان ذوالنّورین رضؓ کے عہدِ خلافت میں پورے جوان ہو گئے اور ایک عابدِ شب بیدار (سجّاد)

کی حیثیت سے شہرت پائی۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہؓ بھی ان سے دعائے خیر و برکت کراتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین کے خلاف شورش برپا ہوئی اور باغیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت محمدؒ بن طلحہؓ قریش کے ان معدودے چند جوانوں میں تھے جو کاشانۂ خلافت کے دروازے پر کھڑے ہو کر باغیوں کی مزاحمت کر رہے تھے۔ اس کشمکش میں حضرت محمدؒ بن طلحہؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ اور قنبر مولیٰ حضرت علیؓ زخمی ہو گئے لیکن انہوں نے باغیوں کو دروازے کے اندر گھسنے نہ دیا۔ البتہ بعض فسادی پڑوس کے مکان سے دیوار پھاند کر اندر چلے گئے اور امیر المؤمنینؓ کو شہید کر ڈالا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس سانحہ جانگداز کا علم ہوا تو انہیں سخت صدمہ پہنچا۔ فوراً حضرت عثمان شہیدؓ کے مکان پر پہنچے، اپنے فرزندوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو مارا اور حضرت محمدؒ بن طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سخت سرزنش کی کہ تم لوگوں کے یہاں ہوتے ہوئے یہ واقعہ کیسے رونما ہوا۔ انہوں نے عرض کیا، ہم کیا کر سکتے تھے، قاتل مکان کی پشت سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ دروازے سے ہم نے کسی کو نہیں آنے دیا۔

حضرت علیؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو "قصاصِ عثمانؓ" کے مطالبہ نے زور پکڑا اسی سلسلہ میں جمل کی افسوسناک لڑائی پیش آئی۔ ایک فریق کی قیادت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کر رہی تھیں اور دوسرے کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت محمدؒ کا دلی میلان حضرت علیؓ کی طرف تھا لیکن والدِ گرامی حضرت طلحہؓ کی خاطر اُمّ المؤمنینؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ لڑائی کے آغاز میں انہوں نے اُمّ المؤمنینؓ سے عرض کی:

"اماں جان، بیٹے کے لیے کیا ارشاد ہوتا ہے؟" اُمّ المؤمنینؓ سمجھ گئیں کہ وہ لڑائی میں حصہ نہیں لینا چاہتے۔ فرمایا "تمہارا دل مطمئن نہیں ہے تو تم خیر بنی آدم کا طریقہ اختیار کرو اور اپنا ہاتھ روک لو۔"

اُمّ المؤمنینؓ کا ارشاد سن کر حضرت محمدؒ نے تلوار نیام میں ڈال لی، زرہ اتار کر زمین پر بچھا دی اور اس پر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سر پر سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی حضرت علیؓ

کو ان کے خیالات اور مجبوریوں کا علم تھا، انہوں نے اپنے لشکر میں اعلان کرادیا کہ سیاہ ٹوپی والے (محمدؓ) پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے لیکن جنگ کے ہنگامہ میں ان کا امتیاز نہ ہوسکا یا دانستہ کسی شخص نے ان کو شہید کر ڈالا۔

لڑائی کے اختتام پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو ساتھ لے کر اپنے مقتولین کو تلاش کرنے کے لیے میدان جنگ میں گئے۔ اچانک حضرت حسنؓ کی نظر ایک لاش پر پڑی جو منہ کے بل زمین پر پڑی تھی۔ انہوں نے اسے سیدھا کیا تو بے اختیار منہ سے نکلا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ پھر فرمایا، خدا کی قسم یہ قریش کا فرزند ہے۔

حضرت علیؓ نے پوچھا، جانِ پدر کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا "یہ محمد بن طلحہؓ کی لاش ہے۔" حضرت علیؓ کو یہ سُن کر سخت صدمہ پہنچا، لاش کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا:

"ربِّ کعبہ کی قسم یہ سجاد ہے اس نے والد کی اطاعت میں جان دی۔ بڑا نیک فطرت اور پاکباز جوان تھا۔"

حضرت حسنؓ بھی حضرت محمدؓ کی شہادت سے سخت غمزدہ ہوگئے۔ ابن اثیرؒ اور امام حاکمؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر انہوں نے پدر گرامی سے مخاطب ہو کر کہا، "میں آپ کو اس لڑائی سے روکتا تھا لیکن آپ نے فلاں فلاں شخص کا مشورہ قبول کر لیا۔"

اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا، اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ کاش میں آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت محمدؓ بن طلحہؓ کو بھی دوسری لاشوں کے ساتھ بصرہ کے قریب سپردِ خاک کر دیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
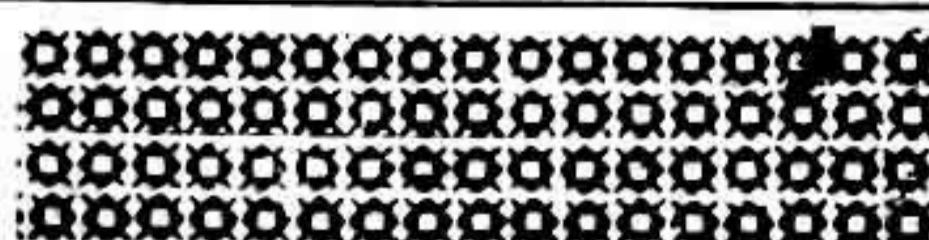
حضرت عبداللہؓ بن بُدیلؓ خزاعی

①

حضرت عبداللہؓ بن بُدیلؓ اسلام کے اُن فرزندوں میں سے ہیں جنہوں نے پہلے عہدِ رسالت میں اور پھر خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اپنی شجاعت و شہامت کے انمٹ نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے اور شجاعانِ اسلام میں شمار ہوئے۔ ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو خزاعہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

عبداللہؓ بن بدیلؓ بن ورقاء بن عمرو بن ربیعہ بن عبدالعزّٰی بن ربیعہ بن حری بن عامر بن مازن خزاعی۔

حضرت عبداللہؓ کے والد بدیلؓ بن ورقاء بنی خزاعہ کے سرداروں میں سے تھے وہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ و ربط رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً آپؐ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کا قبیلہ صلح حدیبیہ (ذیقعد ۶ھ ہجری) کے زمانے میں مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور صلحنامہ کی ایک شرط کے مطابق مشرکینِ مکہ اس بات کے پابند تھے کہ وہ بنو خزاعہ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور نہ ان کے دشمنوں کی مدد ان کے مقابلے میں کریں گے۔ لیکن چند ماہ بعد قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو مشرکینِ قریش نے کھلم کھلا بنو بکر کی مدد کی یوں انہوں نے معاہدۂ صلح کو عملاً توڑ دیا۔

بنو بکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر جو ظلم ڈھایا، بنو خزاعہ کے ایک وفد نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ چالیس آدمیوں پر مشتمل اس وفد میں

بدیلؓ بن ورقاء اور ان کے صاحبزادے عبداللہؓ بھی شامل تھے۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ جن اسباب کی بناء پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں مکہ پر لشکر کشی کی ان میں سے ایک سبب بنو خزاعہ کی حمایت بھی تھا۔ فتح مکہ سے پہلے حضرت عبداللہؓ اور ان کے والد بدیلؓ مسلمانوں کے محض حلیف تھے۔ فتح مکہ کے فوراً بعد وہ شرفِ اسلام سے بھی بہرہ ور ہو گئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ قبولِ اسلام کے وقت حضرت بدیلؓ کی عمر ۹۷ سال کی تھی لیکن ان کی صحت مندی کی یہ کیفیت تھی کہ ڈاڑھی کے تمام بال سیاہ تھے۔ بیعتِ اسلام لیتے وقت حضورؐ نے ان سے پوچھا: "تمہاری عمر کیا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا: "ستانوے سال"

آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں برکت دے۔"

فتح مکہ کے بعد دونوں باپ بیٹے (حضرت بدیلؓ اور حضرت عبداللہؓ) حنین طائف اور تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ حنین کے بعد مالِ غنیمت اور مشرک قیدیوں کی نگرانی پر حضورؐ نے حضرت بدیلؓ کو مامور فرمایا۔

۱۰ھ ہجری میں حضرت بدیلؓ اور حضرت عبداللہؓ نے حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

دونوں باپ بیٹے غزوات میں شریک ہو کر اپنے وطن کو لوٹ جایا کرتے تھے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بدیلؓ کو ایک خط بھیجا تھا وہ اس کو حرزِ جان بنا کر رکھتے تھے۔ اواخرِ عہدِ رسالت میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وفات کے وقت یہ مکتوبِ مبارک حضرت عبداللہؓ کے حوالے کرتے ہوئے وصیت کی کہ جب تک یہ گرامی نامہ تمہارے پاس رہیگا تم لوگ خیر و برکت میں رہو گے۔

(۲)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت

ہوئے تو یکایک عرب کی فضا دگرگوں ہو گئی اور ہر طرف فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے تاہم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے مثال قوتِ ایمانی اور عزم و ہمت کی بدولت چند ماہ کے اندر اندر اس فتنہ کا استیصال ہو گیا۔ اس پُر آشوب دَور میں حضرت عبداللہ بن بدیلؓ نے نہایت استقامت سے پرچمِ حق تھامے رکھا اور اپنے قبیلے کو بھی اس فتنہ کی آگ سے بچانے کی پوری کوشش کی۔ وہ بنو خزاعہ کے سردار ابن سردار ہی نہیں تھے بلکہ شجاعت و شہامت میں بھی اپنا جواب آپ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت کے اواخر میں حضرت عبداللہ بن بُدیلؓ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مدد کے لیے ایران روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ اصفہان پر لشکر کشی کریں۔ اس زمانے میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ قم و کاشان کی مہموں میں مصروف تھے اور انہیں اصفہان کی طرف پیش قدمی کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن بدیلؓ کے پہنچنے سے ان کا بار ہلکا ہو گیا۔ اصفہان ایران کا بڑا اہم صوبہ تھا اور ایرانیوں نے اس کے دفاع کے لیے بڑی جمعیت فراہم کر رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن بدیلؓ صوبہ اصفہان میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ان کا مقابلہ شہر براز جادویہ سے ہوا جو ایک بااثر اصفہانی رئیس استندار کے لشکر کا آزمودہ کار افسر تھا اور اپنی فوج کے ہراول کی قیادت کر رہا تھا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں تو شہر براز جادویہ ننکارتا ہوا میدان میں نکلا اور للکار کر کہا، اگر کسی میں ہمت ہے تو میرے مقابلے میں آئے۔" حضرت عبداللہ بن بدیلؓ اس کی للکار سن کر جوشِ شجاعت سے بے قرار ہو گئے اور لپک کر اس کے سامنے پہنچ گئے۔ جادویہ نے ان پر کئی وار کیے لیکن وہ خالی دے گئے اور پھر خود اپنی تلوار کے ایک بھرپور وار سے اس کو خاک و خون میں لوٹا دیا۔

شہر براز جادویہ کی ہلاکت کی خبر سن کر استندار کی ہمت پست ہو گئی اور اس نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن بدیلؓ نے آگے بڑھ کر اصفہان کے نواحی قصبہ "جی" کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ جی نے بہت جلد ہتھیار پھینک دیئے اور جزیہ دینا منظور کر کے مطیع ہو گئے۔

"جی" کی تسخیر کے بعد حضرت عبداللہؓ نے خاص شہر اصفہان کو جا گھیرا۔ وہاں کے حاکم فادوسفان نے حضرت عبداللہ بن بدیلؓ کو پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں ہم تم لڑکر خود فیصلہ کرلیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فادوسفان تیس منتخب بہادروں کے ساتھ شہر سے نکل کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن حضرت عبداللہؓ نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس موقع پر اس نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ آؤ ہم تم دونوں ایک دوسرے سے نپٹ لیں۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کی تجویز بلا تامل مان لی اور فوراً اس کے مقابلے پر جا کھڑے ہوئے۔ فادوسفان ایران کا مانا ہوا جنگجو تھا اس کو یقین تھا کہ کسی دقت کے بغیر اپنے مقابل کو زیر کرے گا۔ لیکن جب مقابلے کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہؓ نے اس کو لوہے کے چنے چبوا دیئے، اور تلوار کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ فادوسفان کے گھوڑے کی زین کو کاٹتا ہوا نکل گیا اور وہ خود بڑی مشکل سے بچا۔ اب وہ سمجھ گیا کہ تھوڑی دیر اور مقابلہ جاری رہا تو اس کی جان کی خیر نہیں، ڈھٹائی سے بولا، میں تم جیسے بہادروں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا، میں اس شرط پر شہر حوالہ کرنے کو تیار ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے شہر چھوڑ کر نکل جائے۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ شرط منظور کرلی اور فادوسفان نے شہر اُن کے حوالے کر دیا۔ اصفہان کو مسخر کرنے کے بعد حضرت عبداللہؓ اصفہان کے دوسرے علاقوں کی طرف بڑھے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان سب کو فتح کرلیا۔

۲۸ سنہ ہجری میں (بعہد خلافت حضرت عثمان ذوالنورینؓ) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو اس وقت امارت بصرہ پر فائز تھے، حضرت عبداللہ بن بدیلؓ کو کرمان کی مہم پر مامور کیا۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن بدیلؓ نے طبس اور کرین کے دو مضبوط قلعوں کو فتح کرلیا۔ ان قلعوں کی تسخیر سے خراسان کی طرف بڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی جسے کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے فتح کرلیا۔

(۴)

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ امیر معاویہؓ والیٔ شام نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور دونوں بزرگوں میں شدید اختلافات کا آغاز ہو گیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ اس نزاع میں حضرت عبداللہ بن بدیلؓ نے حضرت علیؓ کی پُرجوش حمایت کی اور جنگِ صفین کے آغاز سے پہلے حضرت علیؓ کے حامیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"لوگو معاویہؓ نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اس کے وہ ہرگز مستحق نہیں ہیں۔ اس دعویٰ میں وہ جس شخص کی مخالفت کر رہے ہیں وہ یقیناً اس کا مستحق ہے —— خدا کی قسم تم لوگ یقیناً حق پر ہو، اللہ کا نور اور برہان تمہارے ساتھ ہے۔ سرکشوں سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اللہ ان کے مقابلے میں تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔"

جنگِ صفین کے عارضی التوا کے بعد جب دوبارہ جنگ شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن بدیلؓ کو پیدل فوج کا افسر بنایا۔ جنگ کا سلسلہ مدت تک جاری رہا۔ متحارب فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے کے مقابلے میں آتے تھے اور لڑ بھڑ کر واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن بدیلؓ عراقی سواروں کا ایک دستہ لے کر نکلے۔ شامیوں کی طرف سے ابوالاعور سُلمی شامیوں کا ایک دستہ لے کر ان کے مقابلے پر نکلا۔ دیر تک فریقین میں گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ پھر عبداللہ بن بدیلؓ جوشِ شجاعت میں شامیوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اس ٹیلے کی طرف بڑھے جہاں امیر معاویہؓ خیمہ زن تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ شامی فوج کا جو سپاہی عبداللہؓ کے سامنے آتا ہے وہ اسے مار گراتے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے کہا، دیکھتے کیا ہو اگر لوہا کام نہیں کرتا تو پتھروں سے کام لو۔ اس پر شامیوں نے حضرت عبداللہؓ پر پتھروں کا مینہ برسا دیا اور حضرت علیؓ کے یہ جاں نثار

شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔ امیر معاویہؓ ان کی لاش کے قریب آکر کھڑے ہو گئے اور کہا:
یہ شخص قوم کا مینڈھا تھا اور شاعر کے اس قول کے مصداق تھا:

اخُو الحَربِ اِنْ عَضَّتْ بِہٖ الحَربُ عَضَّہَا
وَاِنْ شَمَّرَتْ عَنْ سَاقِہَا الحَربُ شَمَّرَا
کَسَلَیْثِ عَرِیْنٍ بَاتَ یَحْمِیْ عَرِیْنَہٗ
رَمَتْہُ المَنَایَا قَصْدُھَا وَتَقَطَّرَا

یعنی: وہ مردِ میدان تھا، اگر جنگ اسے دانتوں سے کاٹتی تھی تو وہ جنگ کو کاٹ لیتا تھا۔ اگر جنگ پائینچے چڑھا لیتی تھی تو وہ بھی پائینچے چڑھا لیتا تھا۔ وہ کچھار کے شیر کی مانند تھا جو اپنے مامن کی مدافعت کر رہا ہو ایسے عالم میں اسے موت کے تیروں نے بے خطا نشانہ بنا لیا اور وہ لڑکھڑا کر ایک پہلو پر گر گیا۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

حضرت حویطبؓ بن عبد العزیٰ

①

۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں حشر برپا ہو گیا۔ چند شریر النفس باغیوں نے حرم رسولؐ کی حرمت کو پامال کر ڈالا اور اپنے عہد کی عظیم اور مقدس ترین ہستی کو نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا ـــــ پیکر جود و سخا، مجسمۂ علم و تحمل خلیفۂ عرب و عجم خویش رسول سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی نعش اپنے گھر میں بے گور و کفن پڑی تھی باغی ہر طرف دندناتے پھرتے تھے اور ان بدبختوں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ضعیف العمر قاریٔ قرآن خلیفۂ شہیدؓ کے جسد مبارک کو سپرد خاک کیا جائے۔ ان پرخطر حالات میں دوسرے دن رات کو چند (بقول بعض سترہ) دلیر مسلمان سر بکفن ہو کر امیر المومنین کے گھر پہنچے اور ان کی خون آغشتہ میت کو اٹھایا۔ پھر ان کی نماز جنازہ پڑھی اور جان پر کھیل کر جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب میں سپرد خاک کیا۔ ان دلیر مسلمانوں میں سو برس سے زیادہ عمر کے ایک نورانی صورت بزرگ بھی تھے۔ انہوں نے یہ فرض انجام دینے کے لیے نہ اپنی جان کی پروا کی اور نہ اپنی کبر سنی اور نقاہت کو آڑے آنے دیا۔ یہ بزرگ ابو محمد حویطبؓ بن عبد العزیٰ تھے۔

②

حضرت ابو محمد حویطبؓ بن عبد العزیٰ کا تعلق قریش کے خاندان عامر بن لوئی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

حویطبؓ بن عبد العزیٰ بن ابو قیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل

بن عامر بن لوئی۔

حضرت حویطبؓ اپنے قبیلے کے رؤسا میں سے تھے اور قریش کے ذی اثر اور متموّل ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے ان معدودے چند آدمیوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آفتابِ رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تو حضرت حویطبؓ ساٹھ برس کے پیٹے میں تھے۔ دعوتِ توحید نے ان پر خاص اثر کیا اور انھوں نے کئی مرتبہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہونا چاہا لیکن ہر بار بنو اُمیّہ کے رئیس حکم بن اُمیّہ نے انہیں یہ کہہ کر اس سعادت سے محروم رکھا کہ اس عمر میں نیا مذہب قبول کرنا تمہاری غیرت کے منافی ہے، آبائی مذہب کو ترک کر کے تم اس عزت اور مرتبہ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے جو اس وقت تمہیں قوم میں حاصل ہے۔

بعثتِ نبوی سے فتح مکّہ تک کا زمانہ حضرت حویطبؓ نے کس طرح گزارا، اس کا حال ابنِ سعدؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ نے خود حضرت حویطبؓ کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے :۔

"میں بدر کی لڑائی میں بھی مشرکین کے ساتھ تھا۔ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ ملائکہ آسمان سے اتر رہے ہیں۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا کہ اس آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کی گئی ہے تاہم میں نے جو کچھ دیکھا اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا چنانچہ ہم شکست کھا کر مکّہ واپس گئے۔ میں مکّہ میں ٹھہرا رہا اور قریش ایک ایک، دو دو کر کے اسلام لاتے رہے۔ صلح حدیبیہ کے دن بھی میں موجود تھا۔ اور اس معاملہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا صلحنامہ کا آخری گواہ میں تھا اور میں نے اپنے دل میں کہا تھا، قریش کو محمدؐ کی طرف سے وہی دیکھنا ہوگا جو ان کو برا لگتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا کے لیے مکّہ تشریف لائے تو بہت سے قریش مکّہ سے باہر چلے گئے لیکن میں اور سہیل بن عمرو مکّہ میں اس ارادہ سے ٹھہرے رہے کہ وقت پورا ہونے پر مسلمانوں کو مکّہ سے نکل جانے کے لیے کہیں۔ چنانچہ تیسرا دن ہوتے ہی میں نے اور سہیل نے آپؐ کے پاس جا کر کہا کہ آپ کی شرط پوری ہو چکی آپ اب اس شہر سے تشریف لے جائیے۔ آپؐ نے اسی وقت حضرت

بلالؓ کو حکم دیا کہ منادی کر دیں، سورج چھپنے سے پہلے پہلے جتنے مسلمان میرے ہمراہ آئے ہیں ایک بھی مکہ میں نہ رہے۔"

(طبقات ابن سعد، الاصابہ)

رمضان ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ پر پرچم اسلام بلند کیا تو حضرت حویطبؓ پر کیا بیتی، اس کا حال بھی انہوں نے خود اس طرح بیان کیا ہے:-

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد شہر میں داخل ہوئے تو مجھے انتہائی خوف محسوس ہوا میں اپنے گھر سے نکل گیا۔ اپنے اہل وعیال کو مختلف محفوظ مقامات میں پہنچا دیا اور خود عوف کے باغ میں پناہ لی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ابو ذر غفاریؓ میری طرف آرہے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان پرانی دوستی تھی لیکن اس وقت میں انہیں دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ انہوں نے پکار کر کہا، ابو محمد رک جاؤ۔ میں رک گیا۔ انہوں نے پوچھا بھاگ کیوں رہے ہو؟ میں نے کہا، تمہارے نبی آگئے ان کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔

ابوذرؓ نے کہا، تم اللہ کے دیئے ہوئے امان میں مامون ہو ـــــ یہ سن کر میں ان کے پاس گیا اور سلام کیا۔ انہوں نے کہا، چلو اپنے گھر چلو۔ میں نے کہا، میرے لیے گھر جانے کی کوئی سبیل بھی ہے خدا کی قسم مجھ کو تو یہ گمان ہے کہ میں گھر تک زندہ نہیں پہنچ سکتا یا تو راستے ہی میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جاؤں گا اور اگر گھر پہنچ بھی گیا تو کوئی مسلمان گھر میں گھس کر مجھ کو مار ڈالے گا۔ اور میرے بال بچے بھی مختلف مقامات پر ہیں۔

ابوذرؓ نے کہا، اپنے بال بچوں کو کسی جگہ اکٹھا کر لو، تم کو میں خود تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔

چنانچہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے اور بلند آواز سے یہ اعلان کرتے گئے کہ حویطب کو امان مل چکا ہے ان کو کوئی شخص نہ چھیڑے۔

ابوذرؓ مجھے بحفاظت گھر پہنچا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ سوائے چند اشتہاری مجرموں کے باقی سب لوگوں کو امن ہے؟ مجھے حضورؐ کے ارشاد کا علم ہوا تو میں مطمئن ہوگیا اور اپنے بال بچوں کو گھر لے آیا۔ پھر ابوذرؓ میرے پاس آئے اور کہا، ابو محمد کب تک اور کب تک؟ بھلائی کے بہت سے موقعے ہاتھ سے نکل گئے، اب بھی وقت ہے ـــ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آؤ۔ آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بھلے، سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ بُردبار ہیں ان کے شرف و اعزاز میں تمہارا شرف و اعزاز ہے۔

میں نے کہا، میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

چنانچہ میں ابوذرؓ کے ساتھ بطحا کے مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کے پاس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ میں نے ابوذرؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کو سلام کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

انہوں نے کہا، "السلام علیک، ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ میں نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے کہا، "وعلیکم السلام اے حویطب"

میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ـــ اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تمام حمد و ثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے تمہیں ہدایت دی۔"

میرے قبولِ اسلام سے آپؐ بہت خوش ہوئے۔ پھر آپؐ نے مجھ سے کچھ قرض طلب کیا۔ میں نے چالیس ہزار درہم بطور قرض دیئے۔"

قبولِ اسلام کے وقت حضرت حویطبؓ کی عمر اسّی برس کے لگ بھگ تھی لیکن اس بڑھاپے کے باوجود انہوں نے غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حنین کے مالِ غنیمت میں سے حضورؐ نے ان کو سَو اونٹ

مرحمت فرمائے۔ غزوۂ طائف کے بعد حضرت حویطبؓ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہو گئے۔

(۳)

حضرت عمر فاروقؓ حضرت حویطبؓ کو بہت مانتے تھے۔ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں حدودِ حرم کو از سرِ نو مقرر کرنا چاہا اور اس مقصد کے لیے صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کو نامزد کیا۔ حضرت حویطبؓ بھی اس جماعت کے ایک رکن تھے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش برپا ہوئی تو حضرت حویطبؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے باغیوں کو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی مفسدانہ روش سے باز نہ آئے یہاں تک کہ امیر المومنینؓ کی شہادت کا سانحہ جانگداز پیش آیا۔ باغیوں کا اس قدر زور تھا کہ کسی کو خلیفہ مظلومؓ کی نعش دفن کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ بالآخر حضرت حویطبؓ اور سولہ دوسرے مسلمانوں نے اپنی جانوں کی بازی لگا کر یہ کام انجام دیا۔

حضرت حویطبؓ بڑے حق گو اور بے باک تھے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں مروان بن الحکم مدینہ منورہ کا گورنر مقرر ہوا۔ حضرت حویطبؓ ایک دن اس کے پاس گئے تو اس نے طنزاً کہا، "بڑے میاں آپ نے اسلام لانے میں اتنی دیر کی کہ بہت سے نوجوان اس سعادت کے حصول میں آپ پر سبقت لے گئے۔"

حضرت حویطبؓ نے جواب دیا "بھائی میں نے کئی بار قبولِ اسلام کا ارادہ کیا تھا لیکن تمہارے باپ (حکم بن امیہ) نے غیرت دلا کر مجھے اس شرف سے محروم رکھا۔" مروان یہ سن کر فرطِ خجالت سے چپ ہو گیا لیکن حضرت حویطبؓ نے پھر فرمایا، شاید تم کو معلوم نہ ہو کہ تمہارے باپ نے عثمانؓ بن عفان پر قبولِ اسلام کے جرم میں کیا کیا ستم ڈھائے۔ اس پر مروان اور بھی نادم ہوا اور اس نے پھر کبھی حضرت حویطبؓ سے طنز آمیز گفتگو نہ کی۔

حضرت حویطبؓ نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت سوا سو سال کے قریب عمر تھی — حضرت حویطبؓ سے مروی چند احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ یہ حدیثیں انہوں نے بعض کبار صحابہؓ سے روایت کی ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں ان کے فرزند ابو سفیانؒ اور عبداللہؒ بن بریدہؓ شامل ہیں —— رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت عباسؓ بن مرداس

۱

حضرت ابوالفضل عباسؓ بن مرداس کا شمار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن فدائیوں میں ہوتا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں ایک اونچے درجے کے شاعر، اعلیٰ درجہ کے شہسوار (فارس) اور اپنے قبیلے کے سردار ہونے کے باوجود شراب خواری سے سخت متنفر تھے حالانکہ بادہ وجام اس زمانے میں شاعری، شہسواری اور ریاست کا لازمہ تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا، اے سردار آپ شراب کیوں نہیں پیتے کہ یہ طبیعت میں سرور پیدا کرتی ہے اور قوت وہمت بھی۔

انہوں نے جواب دیا: "میں قوم کا سردار ہو کر احمق نہیں بننا چاہتا۔ خدا کی قسم میرے پیٹ میں وہ چیز کبھی نہیں جا سکتی جو عقل و ہوش سے محروم کر دے۔"

حضرت عباسؓ بن مرداس کا تعلق نجد کے قبیلہ بنو سُلَیم سے تھا جو بنو قیس بن عیلان کی ایک شاخ تھا۔ یہ قبیلہ اپنی شرافتِ نفس، جود وسخا اور شجاعت وبسالت کی بناء پر قبائلِ عرب میں امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

"بلاشبہ ہر قوم کی ایک پناہ گاہ ہوتی ہے اور عرب کی پناہ گاہ قیس بن عیلان ہے۔"

حضرت عباسؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"عباسؓ بن مرداس بن ابی عامر بن حارثہ بن عبد بن عبس بن رفاعہ

بن حارث بن حی بن حارث بن بہثہ بن منصور السُّلمی ۔

حضرت عباسؓ نامور مرثیہ گو صحابیہ الخنساءؓ بنتِ عمرو کے سوتیلے بیٹے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار تھے ۔ ان کا شمار شعرائے مخضرمون میں ہوتا ہے یعنی وہ شعراء جنہوں نے جاہلیّت کا زمانہ بھی پایا اور اسلام کا بھی ۔

اگرچہ حضرت عباسؓ کو شاعری میں اپنی نامور سوتیلی ماں حضرت خنساءؓ جیسا مرتبہ تو حاصل نہ ہو سکا تاہم اس معاملہ میں انہیں اپنے بہن بھائیوں پر جو سب کے سب نہایت اچھے شاعر تھے ، برتری حاصل تھی ۔ ان میں سے ایک بھائی سراقہ بن مرداس اور بہن عمرہ بنت مرداس ان کے بعد تک زندہ رہے ۔ انہوں نے حضرت عباسؓ کی وفات پر دلدوز مرثیے کہے ۔

۲

ابنِ ہشامؒ نے حضرت عباسؓ بن مرداس کے قبولِ اسلام کے متعلق ایک عجیب روایت بیان کی ہے ، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کو اپنے والد سے ایک بُت ملا جس کا نام ضمار تھا ۔ باپ کے حکم کے مطابق حضرت عباسؓ اس بُت کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے اہلِ قبیلہ کا بھی یہی شعار تھا ۔ ایک دفعہ عباسؓ آدھی رات کو اس بُت کی پرستش کر رہے تھے کہ انہیں ایسے معلوم ہوا جیسے کوئی منادی کہہ رہا ہے " پیغمبرِ آخر الزماںؐ کا ظہور ہو چکا ہے اور ضمار کی بربادی کا وقت آ گیا ہے ۔" دوسری مرتبہ کسی شخص نے کڑک کر انہیں سوتے سے جگایا اور ایسے ہی الفاظ کہے ۔

حضرت عباسؓ کے لیے یہ تنبیہ کافی تھی ۔ انہوں نے ضمار کو آگ میں جھونکا اور فوراً عازمِ مدینہ ہو گئے ۔ مدینہ پہنچ کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کے دستِ حق پرست پر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے ۔ اس زمانے میں حضورؐ فتح مکہ کی تیاری میں مصروف تھے ۔ آپؐ نے حضرت عباسؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے قبیلہ میں واپس جائیں اور قبیلہ کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر آپؐ کو القُدَید کے مقام پر ملیں ۔

حضرت عباسؓ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور بڑے مؤثر اور پُرزور انداز میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ بنو سُلَیم کے بیشتر لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے بُت کو جلا کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے لیکن حضرت عباسؓ کی اہلیہ حبیبہ بنت الضحاک السُلَمی کی مت ماری گئی وہ دعوتِ توحید قبول کرنے کی بجائے حضرت عباسؓ کے قبولِ اسلام پر سخت برافروختہ ہوئی اور انہیں جلی کٹی سناتی اپنے خاندان والوں میں واپس چلی گئی۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا اور فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے موقع پر اپنے قبیلے کے نو سو مسلح بہادر سواروں کے ہمراہ القدید کے مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مکہ میں داخلہ کے وقت آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ یوں وہ ان دس ہزار نفوسِ قدسی میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے کتابِ استثنا میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی:۔

"خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہِ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا۔ اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے آتشیں (نورانی) شریعت تھی۔"

اس موقع پر حضرت عباسؓ نے ایک پُرزور قصیدہ کہا جس میں فتح پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

(۲)

فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ بن مرداس نے حنین اور اوطاس کے غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ حضورؐ نے جعرانہ کے مقام پر حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت عباسؓ کو "مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب" میں شامل فرمایا۔ "مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب" وہ بارسوخ (نومسلم) عرب سردار تھے جن کے بارے میں حضورؐ کو حکم ہوا تھا کہ مدارات وعطا سے ان کی تالیفِ قلب کریں تاکہ دوسرے لوگ بھی اسلام کی طرف راغب ہوں۔ حضرت رافعؓ بن خَدِیج سے روایت ہے کہ عام طور پر مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب کو مالِ غنیمت میں سے سَو سَو اونٹ

فی کس عطا ہوئے لیکن حضرت عباسؓ کو (کسی وجہ سے) کم اونٹ ملے۔ انہوں نے دوسرے سرداروں کے مقابلے میں اپنا حصہ کم دیکھ کر ایک قصیدے میں شکوہ کیا۔ حضورؐ نے یہ قصیدہ سنا تو حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وجہہٗ سے فرمایا، "اقطع عنی لسانہ" (اس کی زبان کاٹ دو) حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا، میرے ساتھ چلو۔ راستے میں حضرت عبّاسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا، اے علی کیا آپ میری زبان کاٹیں گے؟ انہوں نے کہا، تم میرے ساتھ چلے آؤ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ غرض وہ حضرت عبّاسؓ کو اونٹوں کے گلّے میں لے گئے اور ان سے فرمایا کہ اس گلّے میں سے اپنی پسند کے سَو اونٹ چن لو۔ انہوں نے سَو اونٹ چن لیے اور خوش ہو گئے۔

حنین اور اوطاس کے غزوات کے بعد حضرت عباسؓ نے غزوۂ طائف میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ وہ ہر لڑائی کے خاتمہ پر پُرزور قصیدہ کہتے تھے۔

ابنِ سعدؒ نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ مذکورہ غزوات کے علاوہ حضرت عباسؓ بن مرداس اور غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ لڑائی کے زمانے میں آتے تھے اور لڑائی ختم ہونے پر اپنے وطن (بنو سُلَیم کے علاقے میں) واپس چلے جاتے تھے۔ ۱۰ھ ہجری میں حَجّۃُ الوَداع کے موقع پر بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ ابنِ ماجہؒ اور بیہقیؒ نے حجۃ الوداع کے سلسلے میں حضرت عبّاسؓ بن مرداس کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عَرَفہ کی شام کو اپنی اُمّت کی بخشش کی دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دُعا کو قبول فرماتے ہوئے کہا، میں نے سب کو بخش دیا لیکن ظالم کو نہیں بخشوں گا اور مظلوم کا حق اس سے ضرور لوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ رب العزّت میں عرض کیا، اے پروردگار اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنّت عطا فرمادے اور ظالم کو بخش دے لیکن یہ دعا عرفہ کی شام کو قبول نہیں کی گئی۔ پھر جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی دعا مانگی اور آپؐ کی خواہش کے مطابق آپؐ کی دُعا قبول کر لی گئی (یعنی اللہ تعالیٰ نے ظالم کو بھی بخش دیا) راوی کا بیان ہے (کہ قبولیتِ دُعا کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یا مسکرائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یہ وقت ہنسنے کا نہیں ہے کس چیز نے آپؐ کو ہنسایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنساتا رہے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ خداوند بزرگ و برتر نے میری دعا کو قبول فرما لیا ہے اور میری اُمت کو بخش دیا ہے تو وہ سر پر خاک ڈالتا اور واویلا کرتا ہوا بھاگ نکلا۔ اس کو پریشان و بدحواس دیکھ کر مجھ کو ہنسی آ گئی۔"

(مشکوٰۃ شریف جلد اوّل)

اہلِ سیر نے حضرت عباسؓ بن مرداس کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی لیکن اتنا ضرور ثابت ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حیات تھے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ بصرے کے قریب آباد ہو گئے تھے اور اکثر شہر میں آتے رہتے تھے جہاں اہلِ بصرہ اُن سے حدیثیں سنا کرتے تھے۔

اگرچہ فضل و کمال کے اعتبار سے حضرت عباسؓ بن مرداس کوئی امتیازی درجہ نہیں رکھتے تھے تاہم ان سے مروی کچھ احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

علامہ یوسف بن زکی المزیؒ نے "تہذیب الکمال" میں لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ کے فرزند کنانہؒ نے ان سے روایت کی ہے۔

حضرت عباسؓ کے فرزند جُلہمہؓ کا شمار بھی ان رواۃِ حدیث میں ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۴)

حضرت عباسؓ بن مرداس شاعری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اسلام لانے

کے بعد ان کا کلام جاہلیت کے زمانے کے کلام سے بالکل مختلف ہے کیونکہ یہ ان کے تاثراتِ اسلامی کا آئینہ دار ہے اور اس میں نورِ ہدایت کی جھلک ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ان کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

یا خاتم النباء انك مرسل   بالحق كل هدى السبيل هداك

اے خاتم المخبرین آپ حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور اللہ نے آپ کو ہدایت کے تمام راستوں کی راہ دکھا دی ہے۔

ان الاله بنى عليك محبة   فى خلقه و محمدا اسماكا

اللہ نے آپ کو اپنی مخلوق کی محبت کی بنیاد قرار دیا ہے اور آپ کا نام محمدؐ رکھا ہے

"دائرۂ معارفِ اسلامیہ" (دانشگاہِ پنجاب) کے مطابق حضرت عباسؓ بن مرداس کی شہرت میں ان کے کلام کے محاسن کے دوش بدوش بظاہر ان کی شخصی وجاہت کو بھی دخل تھا۔ اگرچہ ان کا کوئی دیوان مرتّب نہیں کیا گیا لیکن ان کا جو کلام موجود ہے اس سے وہ ایک زبان آور اور قادر الکلام شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ عہدِ رسالت کے بعض غزوات کے موقع پر انہوں نے جو قصیدے کہے ابنِ ہشامؒ نے انہیں "سیرۃ النبویہ" میں نقل کیا۔ ان کے علاوہ ان کے کچھ مشہور قصیدے یہ ہیں:

(۱) مہاجات ـــــ جو ان کے اور ان کے ہم قبیلہ خُفَاف بن نَدبہ کے درمیان ہوئی۔

(۲) قصیدہ جو انہوں نے اس موقع پر کہا جب انہوں نے یمن میں بنو زبید پر ایک کامیاب حملہ کیا۔

(۳) قصیدہ جو انہوں نے ضمار کو جلانے اور اسلام قبول کرنے کے متعلق لکھا۔

(۴) قصیدہ جو انہوں نے غزوۂ حنین کے بعد مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ کم ہونے کے بارے میں کہا اور جسے سن کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ دوسرے مؤلفۃ القلوب سرداروں کے برابر کر دیا۔

حضرت عباسؓ بن مرداس کا کلام جہاں زبان کی مقامی خصوصیات کا مظہر ہے وہاں ان کے جوشِ شجاعت اور حبِّ رسولؐ کا آئینہ دار بھی ہے ـــــ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

حضرت عبداللہ بن عامرؓ

①

۴ ہجری کا ذکر ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حصولِ برکت کے لیے ایک نومولود بچہ پیش کیا گیا۔ عہدِ رسالت میں مہاجرین اور انصار نے اپنا معمول بنا لیا تھا کہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو بارگاہِ رسالت مآبؐ میں لاتے اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت کے متمنی ہوتے۔ یہ بچہ بھی اسی دستور کے مطابق حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے پر شفقت بھری نظر ڈالی پھر اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر اس کے لیے زندگی، صحت اور خوش بختی کی دعا مانگی۔ بچے نے حضورؐ کے لعابِ دہن کو بڑی رغبت اور مزے سے نگل لیا۔ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ (بچہ بڑا ہو کر) مسقی (سیراب کرنے والا) ہوگا۔"

عرب میں پیاسوں کو پانی پلانے والے یا سیراب کرنے والے کو بڑا خوش بخت اور بلند رتبہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ طفلِ خوش نصیب جن کے منہ میں سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ڈالا اور جن کے بارے میں "مسقی" ہونے کی پیشگوئی فرمائی، حضرت عبداللہؓ بن عامر تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عامر قریش کے معزز خاندان بنو عبدِ شمس کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد عامر بن کُریز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی البیضاء بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ اس نسبت سے عامر بن کُریز حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور عبداللہؓ بن عامر آپؐ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ اس طرح حضرت عبداللہؓ کی پھوپھی

اروی بنتِ کُریز حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی والدہ تھیں، اس ناتے سے حضرت عثمان غنیؓ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

حضرت عبداللہؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

عبداللہؓ بن عامر بن کُریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قصیّ۔

عبدِ مناف پر ان کا سلسلۂ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ حضورؐ کے پردادا ہاشم بن عبدِ مناف، حضرت عبداللہ بن عامرؓ کے جدِ اعلیٰ عبدِ شمس بن عبدِ مناف کے حقیقی بھائی تھے۔

(۲)

حضرت عبداللہؓ بن عامر کا شمار صغارِ صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں وہ کمسن تھے۔ عہدِ فاروقی میں ان کا عنفوانِ شباب تھا۔ اربابِ سیر نے عہدِ رسالت اور شیخینؓ کے پورے دَور میں ان کے کسی خاص کارنامہ کا ذکر نہیں کیا البتہ قرائن سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت نہایت عمدہ طریقے سے ہوئی کیونکہ بعد میں وہ نہ صرف اپنی عسکری اور انتظامی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک رجلِ عظیم ثابت ہوئے بلکہ اپنی سخاوت، ذاتی اوصاف و خصائل اور اپنے متعدد رفاہی کاموں کی وجہ سے بھی شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ جہاں تک ان کی فوجی قابلیت کا تعلق ہے انہیں کسی تردّد کے بغیر قرنِ اوّل کے عظیم ترین مسلمان جرنیلوں کی صف میں جگہ دی جا سکتی ہے۔

عام روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن عامرؓ پہلی مرتبہ ۲۹ھ ۶۴۹ - ۶۵۰ء میں اس وقت منظرِ عام پر آئے جب خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے انہیں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی جگہ بصرہ کا والی (گورنر) مقرر کیا۔ لیکن مولانا سید ابوظفر ندوی نے "تاریخ سندھ" میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عثمانؓ انہیں ۲۵ھ میں سیستان کی مہم پر بھیج چکے تھے۔ سیستان اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں فتح ہو چکا

تھا لیکن کابل جو اس وقت صوبہ سیستان کا ایک حصہ تھا، ابھی تک مسخر نہیں ہوا تھا۔
حضرت عبداللہؓ بن عامر سیستان پہنچ کر وہاں سے کابل پر حملہ آور ہوئے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ کابل قلعہ سے باہر نکل کر بڑی بہادری سے لڑے لیکن حضرت عبداللہؓ بن عامر نے انہیں شکستِ فاش دی اور کابل پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔ یہ ہندوستان کا وہ دروازہ تھا جسے مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا لیکن جیسے ہی عرب فوج واپس گئی کابل پھر خود مختار ہو گیا۔
۲۹ھ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن عامر نے ولایتِ بصرہ کی ذمہ داری سنبھالی تو ان کی عمر پچیس برس کی تھی اور ان کی حوصلہ مندی اور شجاعت اپنے پورے شباب پر تھی۔ صوبۂ بصرہ کی اس زمانے میں بڑی اہمیت تھی اور اس کا والی تمام مشرقی ممالک کا حاکمِ اعلیٰ متصوّر ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن عامر نے بصرہ آکر اپنے زیرِ امارت علاقوں کے حالات کا جائزہ لیا تو وہ یہ دیکھ کر متحیّر ہو گئے کہ کابل سمیت اکثر مفتوحہ ممالک باغیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے تہیّہ کر لیا کہ وہ نہ صرف باغیوں کو مطیع کریں گے بلکہ غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ نگین کریں گے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے جوشِ جہاد سے سرشار مجاہدین پر مشتمل متعدد لشکر مرتّب کیے اور انہیں آزمودہ کار افسروں کی قیادت میں مختلف علاقوں کی تسخیر پر مامور کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے خود ایک مضبوط لشکر کے ساتھ فارس پر چڑھائی کی اور اصطخر، دراب جرد اور جوُر (فیروز آباد) پر قبضہ کر کے اس صوبے کی تسخیر پایۂ تکمیل تک پہنچا دی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں وہ جوُر کی تسخیر میں مشغول تھے، اصطخر کے باشندوں نے بغاوت کر دی اور وہاں کے مسلمان حاکم کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عبداللہؓ جوُر کو فتح کرنے کے بعد اصطخر کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک ہی ہلّے میں اس کو دوبارہ فتح کر کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دی۔ اس کے بعد انہوں نے کاربان اور فیشجان کے شہروں پر اپنا تسلط قائم کیا، اور پھر ایک لشکر بھیج کر کرمان کے علاقے کو مطیع و منقاد بنایا۔
سیستان میں اہلِ کابل مسلمانوں کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ

نے ان کی سرکوبی کے لیے عبداللہ بن عمیر لیثی کو سیستان کا حاکم بنا کر بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی کابل پر یلغار کی اور باغیوں کے سارے کس بل نکال کر کابل پر قبضہ کر لیا۔ یہ سب ۲۹ھ کے واقعات ہیں۔

سنہ ۳۰ھ ۶۵۱ء میں حضرت عبداللہؓ بن عامر آندھی اور طوفان کی طرح خراسان کی طرف بڑھے اور ھیاطلہ (EPHTHALITES) کو شکست دے کر دو تین سال کے اندر اندر مرو، بلخ اور ہرات تک سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عبداللہؓ ایک طرف خود جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے دوسری طرف وہ اپنے ماتحت افسروں کو مختلف اطراف و جوانب کی تسخیر کے لیے روانہ کر رہے تھے۔ احنفؒ بن قیس کو قہستان، یزید جرشی کو رستاق زام، اسودؒ بن کلثوم کو رستاق بہق اور عبداللہ بن معمر کو مکران کی تسخیر اور انتظام کے لیے مامور فرمایا۔

علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عامر کو خط لکھا کہ کسی شخص کو ہندوستان کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجو۔ انہوں نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا۔ وہ واپس آئے تو حضرت عثمانؓ نے ان سے وہاں کے حالات دریافت کیے انہوں نے عرض کیا:

"امیر المؤمنین، وہاں پانی کی بہت قلت ہے اور وہاں کے لوگ ڈاکو ہیں۔ تھوڑی فوج جائے تو لوٹ لی جائے اور زیادہ جائے تو پیاس سے برباد ہو جائے۔"

اس پر حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عامر کو حکم بھیجا کہ اپنی فوج کو ہندوستان میں داخل ہونے سے منع کر دو۔

یہ روایت مشکوک معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت عبداللہؓ بن عامر کے ایک جرنیل عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ نے موجودہ بلوچستان میں داخل ہو کر کئی مقامات فتح کیے۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ ہی کا دورِ خلافت تھا۔ اگر حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عامر کو کوئی امتناعی حکم بھیجا ہوتا تو وہ کبھی اپنے کسی فوجی افسر کو حدودِ ہند میں داخل ہونے کی

اجازت نہ دیتے۔

ابن اثیرؒ نے بالکل اسی قسم کا واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں ہندوستان جانے والے شخص کا نام حکیم بن جبلہ عبدی کی بجائے صحار عبدی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بعض وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کو ہندوستان کی طرف بڑھنے سے منع فرمایا تھا۔

(۴)

مختلف مہمات پر مامور کیے ہوئے حضرت عبداللہؓ بن عامر کے فوجی افسروں نے جو کارنامے انجام دیئے یہاں ان کا ذکر بے محل نہ ہوگا کیونکہ یہ افسر حضرت عبداللہؓ ہی سے ہدایات حاصل کرتے تھے۔

حضرت ابن عامرؓ نے عبداللہ بن عمیر لیثی کو سیستان کا اور عبدالرحمٰن بن عبیس کو کرمان کا والی مقرر کیا تھا۔ ان دونوں نے وہاں امن وامان قائم رکھنے کے لیے بڑے عمدہ انتظامات کیے لیکن ان دونوں صوبوں کے باشندے سخت شورش پسند تھے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی فساد برپا کر دیتے۔ ابن عامرؓ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو وہ خود خراسان پہنچے اور ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق سیستان کی حکومت ربیع بن زیاد حرثی کو دی اور مجاشع بن مسعود کو کرمان کا والی مقرر کیا۔

مجاشعؓ بن مسعود نے کرمان پہنچ کر پہلے وہاں کے ایک اہم شہر ہمید کو فتح کیا۔ اس کے بعد شورش پسندوں کو کچل کر سیستان کے دارالحکومت "سیرجان" پر اپنا تسلط قائم کیا۔ عام باشندوں کو تو انہوں نے معافی دے دی البتہ باغیوں اور مفسدوں کے سرداروں کو جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے جیرفت کو مسخر کیا اور پھر قفص کے پہاڑوں میں ایک خونریز جنگ کے بعد وہاں کے باشندوں کو مطیع کیا۔

"قفص" کے بارے میں مولانا سید ابوظفر ندوی نے "تاریخ سندھ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قفص بظاہر قیچ کا معرب معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اس سے مراد وہ لوگ

ہیں جو قبچاق (ترکستان) کے باشندے تھے اور وہاں سے ہجرت کرکے (یا فاتحانہ) کسی زمانہ میں ہندوستان کے مغربی پہاڑوں میں آ بسے تھے۔ غالباً انہی کو آج پٹھان اور بلوچ کہا جاتا ہے۔

احنف بن قیسؓ قہستان کی طرف بڑھے تو ترکوں نے ابن عامر کی خدمت میں ایک وفد بھیج کر صلح کرلی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ احنفؓ نے ترکوں کو بزورِ شمشیر مغلوب کرکے قہستان پر قبضہ کیا۔

یزید حرشیؓ نے رستاق زام کے علاقے پر یلغار کی اور باخرز، رستاق زام اور جوین کو فتح کرلیا۔ اسود بن کلثومؓ نے رستاق بہق پر حملہ کیا لیکن وہ اس معرکے میں شہید ہو گئے تاہم ان کے جانشین ادھم بن کلثومؓ نے دشمنوں کو شکست دی اور بہق پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔

عبید اللہ بن معمرؓ نے مکران میں اپنے قدم جما کر تمام باغیوں کی سرکوبی کی اور فتح پر فتح حاصل کرتے ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گئے۔

ربیع بن زیادؓ نے سیستان پہنچ کر پہلے قلعہ زالق پر قبضہ کیا لیکن جب اہل زالق نے اطاعت کا حلف اٹھایا تو یہ قلعہ ان کو واپس کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کئی خونریز معرکوں کے بعد کرکویہ، زاشت، ناشروذ اور شرواذ کے شہر مسخر کیے اور پھر زرنج کا محاصرہ کرلیا۔ اہل زرنج پہلے تو قلعہ بند ہو کر خوب مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر محاصرہ کی سختی سے تنگ آ گئے اور صلح کا پیغام بھیجا۔ ربیع نے گفت و شنید کے لیے ان کے حاکم کو جاں بخشی کا وعدہ کرکے بلا بھیجا۔ ادھر انہوں نے اپنے سپاہیوں کو ایسے کپڑے پہنا دیئے اور ان کی ہیئت ایسی بنا دی کہ ان کو دیکھ کر خوف آتا تھا پھر خود ایک لاش پر بیٹھ گئے اور ایک لاش تکیہ کی جگہ اپنے پیچھے رکھ لی۔ حاکمِ زرنج ان سے ملاقات کے لیے آیا تو یہ کیفیت دیکھ کر اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے بلا حیل و حجت مسلمانوں کی شرطیں مان کر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ زرنج کی تسخیر کے بعد ربیع نے دریائے سناروذ کو پار کیا اور "اصطبل رستم" نام کے ایک اہم قصبے پر حملہ آور ہوئے۔ اہلِ قصبہ

نے پہلے تو مقابلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمانوں سے نبرد آزما ہونا ان کے بس کی بات نہیں تو ہتھیار پھینک دیئے اور اطاعت قبول کرلی۔ غرض ربیع تمام سیستان میں امن و امان قائم کرکے زرنج واپس آگئے۔ ایک سال کے بعد وہ اپنا ایک نائب سیستان میں چھوڑ کر عبداللہؓ بن عامر سے ملنے خراسان آئے۔ ان کے سیستان سے جاتے ہی باغیوں نے پھر سر اٹھایا اور نائب کو سیستان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عامر کو ان حالات کی خبر ہوئی تو انہوں نے ایک آزمودہ کار جرنیل حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کو سیستان کی از سرِ نو تسخیر پر مامور کیا اور ساتھ ہی اس کی امارت کا پروانہ لکھ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ جو شرفِ صحابیت کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی عسکری صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور تھے آٹھ ہزار جاں بازوں کے ساتھ سیستان میں داخل ہوئے اور تمام مزاحمتوں کو کچلتے ہوئے زرنج پہنچ گئے۔ زرنج کے ایرانی حاکم ایران بن رستم نے شہر کے دروازے بند کرلیے لیکن بالآخر اس کی قوتِ مقاومت جواب دے گئی اور اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار غلام دے کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس دن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے زرنج پر حملہ کیا، اہلِ زرنج اپنے کسی تیوہار کے جشن میں مشغول تھے۔ مسلمانوں کو اچانک اپنے سر پر پایا تو حواس باختہ ہوگئے اور کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔

زرنج کو مسخر کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان تمام علاقوں پر لوائے توحید بلند کیا جو زرنج اور کش کے درمیان تھے۔ اس سلسلے میں مولانا سید ابوظفر ندوی اپنی کتاب "تاریخ سندھ" میں لکھتے ہیں:۔

"عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ ان تمام علاقوں پر قابض ہوگئے جو زرنج اور کش کے درمیان تھے۔ یہ علاقہ گو اس وقت بلوچستان میں شامل ہے مگر اس عہد میں ہندوستان کے ماتحت تھا کیونکہ اس وقت تک بلوچستان کے نام کا کوئی صوبہ نہ تھا بلکہ مکران اور سیستان بھی سندھ سے ملے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف

سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا
اور خود صحابہؓ رسولؐ کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا۔"

گویا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ بتکدۂ ہند میں شمعِ توحید روشن کرنے والے مجاہدین کے قائد تھے اور ہندوستان کے دوسرے تمام مسلم فاتحین (محمد بن قاسمؒ، شہاب الدین محمد غوریؒ، اور محمود غزنویؒ کے پیش رو تھے۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ رخج کی طرف بڑھے اور دادن (یا دوار) کے اہم شہر تک پہنچ گئے۔ اس شہر کے قریب ایک پہاڑ پر ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جو ایک مستحکم قلعہ کی صورت میں تھا۔ اس میں زور نامی ایک دیو پیکر بت نصب تھا جس کی نسبت سے اس پہاڑ کو "کوہ زور" کہا جاتا تھا۔ یہ بت خانہ بت پرستوں کے نزدیک بہت مقدس تھا، وہ دور دور سے اس کی زیارت کو آتے اور بیش قیمت چڑھاوے بت کی نذر کرتے۔ اہلِ دادن بھاگ کر اس بت خانہ میں پناہ گزین ہوئے اور شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بت خانہ اور شہر دونوں کا محاصرہ کر لیا اور اس میں اتنی سختی برتی کہ بت پرستوں کو ایک خطیر رقم دے کر صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ دادن کے بت خانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا طلائی بت نصب ہے جس کی آنکھوں میں نہایت بیش قیمت ہیرے جڑے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پہلے اپنے نیزے سے اس بت کی آنکھیں نکالیں اور پھر اس کے ہاتھ توڑ ڈالے۔ اس کے بعد انہوں نے وہاں کے حاکم اور باشندوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لوگو یہ ہیرے اور اپنے بت کے طلائی ہاتھ اٹھا لو۔ مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔ میں نے یہ کام تمہیں صرف یہ دکھلانے کے لیے کیا ہے کہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لیے ان کی عبادت کرنا گویا اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے۔ اے لوگو! عبادت کے لائق صرف ایک اللہ کی ذات ہے وہی ہر شے کا مالک! اور وہی ہر ایک کے نفع اور نقصان

پر قادر ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو امید ہے وہ تمہارے سینے
کھول دے گا اور تم دینِ اسلام کو اچھی طرح سمجھ جاؤ گے۔"

داون کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے زابل (غزنہ) اور بست کو فتح کیا اور پھر
زرنج واپس آ گئے۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے لشکر میں خواجہ حسن بصریؒ
اور بہت سے دوسرے علماء و فقہاء بھی شامل تھے۔ ان بزرگوں نے مفتوحہ علاقوں میں
اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے زبردست جدوجہد کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی
ایک کثیر تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔

(۴)

حضرت عبداللہؓ بن عامر ایک طرف اپنے جرنیلوں کو لڑا رہے تھے اور دوسری
طرف خود دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول تھے۔ چنانچہ وہ اشبند،
زادہ، بشت، اسفرائن، خواف، رخ اور ارعیان کے شہروں کو مسخر کرتے ہوئے
نیشاپور کے دار الحکومت ابر شہر تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر کئی ماہ
تک مقابلہ کرتے رہے لیکن ایک رات کو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسلمان شہر کے
گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ شہر کے چند محافظ راز داری کے ساتھ
ابن عامرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جان بخشی کا وعدہ لے کر شہر کا ایک دروازہ
کھول دیا۔ مسلمان باہر منتظر کھڑے تھے وہ فوراً شہر میں داخل ہو گئے۔ حاکم شہر نے اپنی
فوج کے چند دستوں کے ساتھ قلعہ میں پناہ لی لیکن وہ بھی زیادہ عرصہ محاصرے کی سختی برداشت
نہ کر سکا اور دس لاکھ درہم سالانہ خراج دینے کے وعدہ پر صلح کر لی۔ اس طرح نیشاپور کا
تمام صوبہ مسلمانوں کے حلقۂ اطاعت میں آ گیا۔

نیشاپور کی تسخیر کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عامر نے عبداللہ بن خازم کو نساءؒ کے
علاقے کی طرف روانہ کیا۔ حاکم نسا نے تین لاکھ درہم پر صلح کر لی اس کو دیکھ کر ابیورد
کے حاکم نے بھی چار لاکھ درہم خراج دینا منظور کر لیا۔ اب ابن عامرؓ نے عبداللہ بن خازم
کو سرخس کی تسخیر پر مامور کیا۔ انہوں نے سرخس پر یلغار کی تو وہاں کے حاکم زادویہ نے

معمولی مزاحمت کے بعد اطاعت قبول کرلی۔ سَرَخس سے ابن حازم نے یزید بن سالم کی سرکردگی میں کچھ فوج بھیج کر کیف اور بنیہ کے شہر بھی فتح کرلیے۔ طوس کے حاکم نے مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ بہ نفسِ نفیس حضرت عبداللہؓ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہوا اور چھ لاکھ درہم سالانہ خراج دینا منظور کرکے اسلامی حکومت کا اطاعت گزار بن گیا۔

عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف بھیج کر ابن عامرؓ خود بھی نچلے نہیں بیٹھے وہ ایک مضبوط فوج کے ساتھ ہرات کی طرف بڑھے۔ حاکمِ ہرات کو مسلمانوں کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو وہ بعجلتِ تمام حضرت عبداللہؓ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کرکے اطاعت قبول کرلی۔ اس کے دیکھا دیکھی مرو شاہجہاں کے حاکم نے بھی جزیہ دینا قبول کرلیا اور ۲۲ لاکھ درہم سالانہ دینے کا اطاعت نامہ لکھ دیا۔

اب ابن عامرؓ نے احنف بن قیسؒ کو طخارستان روانہ کیا۔ انہوں نے کئی قلعے اور شہر مطیع کرنے کے بعد طخارستان کے مرکزی شہر مروالروز کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ شہر نے سخت مقابلہ کیا لیکن بالآخر اطاعت قبول کرلی۔ اسی اثناء میں حضرت احنفؒ کو اطلاع ملی کہ دشمنوں کی ایک کثیر تعداد جوزجان میں جمع ہے۔ انہوں نے حضرت اقرعؓ بن حابس تمیمی کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حضرت اقرعؓ نے دشمنوں کو شکست دے کر جوزجان فتح کرلیا۔ اب حضرت احنف نے طالقان اور فاریاب کا رُخ کیا اور ان دونوں شہروں کو فتح کرتے ہوئے بلخ پہنچ گئے۔ اہلِ بلخ کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑی اور انہوں نے چار لاکھ درہم سالانہ جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کرکے صلح کرلی۔

اُدھر حضرت عبداللہؓ بن عامر دریائے جیحوں (OXUS) کو عبور کرکے ماوراء النہر میں داخل ہوگئے۔ اہلِ ماوراء النہر مسلمانوں کی طاقت سے آگاہ تھے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ مقابلہ کرنے کی بجائے صلح کرلی جائے۔ چنانچہ ان کا ایک نمائندہ وفد بے شمار گھوڑے، ریشمی کپڑے، لونڈی غلام اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حضرت عبداللہؓ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہوا اور صلح کی درخواست کی۔

حضرت عبداللہؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور قیس بن الہیثم کو ماوراءالنہر میں اپنا قائم مقام بنا کر دارالحکومت کو مراجعت کی۔

تمام ارباب سیر نے عہدِ عثمانی میں حضرت عبداللہؓ بن عامر کی شاندار فتوحات کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ماوراءالنہر، اصفہان، حلوان، کرمان، سرخس، غزنی، کابل، ہرات، مرو، اصطخر، نیشاپور وغیرہ سب انہی کے ہاتھ پر پہلی بار یا دوبارہ فتح ہوئے حتیٰ کہ مسلمانوں کے قدم بلوچستان تک پہنچ گئے۔

ابن عامرؓ کی فتوحات کا حال پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی حوصلہ مند اور بہادر جرنیل تھے اور اپنے دَور میں عسکری صلاحیتوں کے اعتبار سے آپ اپنا جواب تھے۔ ان کی فتوحات کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ انہوں نے حتی الوسع خونریزی سے پرہیز کیا۔ جس شہر یا علاقے کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا اور لوگوں کو امان دے دی۔

۵

حضرت عبداللہؓ بن عامر اپنی فتوحات کی تکمیل کر چکے تو وہ حج کے موسم میں بصرہ سے مکہ معظمہ آئے اور حجِ شکرانہ ادا کیا۔ حج کے بعد انہوں نے پہلے مکہ میں اور پھر مدینہ میں جا کر مہاجرینؓ انصار پر انعام واکرام کی بارش کر دی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اپنی وسیع فتوحات کے دوران میں انہیں جو غنائم حاصل ہوئے تھے اس کا بڑا حصہ انہوں نے مہاجرین وانصار میں تقسیم کر دیا۔ ان اصحاب پر حضرت عبداللہؓ کی اس فیاضی کا بہت اچھا اثر ہوا اور انہوں نے ابن عامرؓ کو ڈھیروں دُعائیں دیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے دارالحکومت بصرہ کو مراجعت کی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت (۳۵ھ) تک اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔

"دائرہ معارف اسلامیہ" میں ہے کہ جس زمانے میں باغیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر رکھا تھا حضرت عبداللہؓ بن عامر نے امیرالمؤمنین کی مدد کرنے کی کوشش کی جو بے نتیجہ رہی لیکن اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی نیک نفسی اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو خانہ جنگی اور حرمِ مدینہ کو مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بننے سے بچانے کے لیے اپنے گورنروں سے مدد طلب ہی نہیں کی ورنہ ان کے جاں نثار جرنیل جنہوں نے لاکھوں مربع میل علاقہ مسخر کر ڈالا تھا اگر اپنی فوجیں لے کر امیر المومنینؓ کی مدد کو پہنچ جاتے تو مٹھی بھر شورش پسندوں کی کیا حقیقت تھی کہ ان کے سامنے ٹھہر سکتے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سریر آرائے خلافت ہوئے تو قصاصِ عثمانؓ کے سلسلے میں جمل کی افسوسناک لڑائی پیش آئی۔ اس لڑائی میں حضرت عبداللہؓ بن عامر شروع سے اخیر تک اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ رہے اور ابو حنیفہ دینوری کے بیان کے مطابق لڑائی میں انصار، بنو قیس اور بنو ثقیف کی قیادت کی۔

(الاخبار الطوال)

ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عامر نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سنی تو وہ سخت دلگیر ہوئے کیونکہ سیدنا عثمانؓ نہ صرف خلیفہ برحق تھے بلکہ ان کے قریبی عزیز بھی تھے۔ چونکہ ان کی شہادت کے بعد سخت بدامنی پھیل گئی تھی وہ بیت المال کا روپیہ لے کر بصرہ سے مکہ آ گئے وہاں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے ملاقات ہوئی تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کی نیت سے شام جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ لوگ میرے ساتھ بصرہ چلئے، وہاں ہمیں کافی مددگار مل جائیں گے چنانچہ وہ سب ان کے ساتھ بصرہ آئے اور وہیں جنگِ جمل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ صفین کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہؓ نے امیر معاویہؓ کا طرفدار ہونے کے باوجود اس لڑائی میں کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی البتہ فریقین کے درمیان التوائے جنگ کا جو معاہدہ ہوا اس پر دوسرے لوگوں کے علاوہ انہوں نے بھی گواہ کی حیثیت سے اپنے دستخط ثبت کیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ ان کے جانشین

ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے ان پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہؓ بن عامر کو ہراول کا افسر بنایا حضرت حسنؓ پہلے اپنی فوج کے ساتھ مدائن تشریف لائے، وہاں سے مقابلہ کے لیے نکلے اور ساباط میں خیمہ زن ہوئے۔ ساباط کے اثنائے قیام میں انہوں نے اپنی فوج میں لڑائی سے پہلوتہی کے آثار پائے۔ بعض خارجیوں نے تو آپ کی تحقیر کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ جراح بن قبیصہ نامی ایک بدبخت نے حملہ کرکے آپ کا زانوئے مبارک زخمی کر دیا۔ اس پر سیدنا حسنؓ مدائن واپس آگئے اور زخم مندمل ہونے تک قصرِ ابیض میں تشریف فرما رہے۔ جب زخم پوری طرح بھر گیا تو پھر مقابلہ کے لیے نکلے۔ اس دوران میں امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے۔ عبداللہؓ بن عامر اور حضرت حسنؓ کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو حضرت ابنِ عامرؓ نے سیدنا حسنؓ کے پاس قاصد بھیج کر سلام اور یہ پیغام بھیجا کہ میری حیثیت محض امیر معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے وہ خود ایک جرار لشکر کے ساتھ انبار پہنچ چکے ہیں۔ آپ کو اپنی ذات اور اپنے حامیوں کی قسم لڑائی کو ملتوی کر دیں۔

سیدنا حضرت حسنؓ کے ساتھیوں نے یہ پیام سُنا تو لڑائی سے گریز پا ہونے لگے۔ حضرت حسنؓ نے ان کی کمزوری کو بھانپ لیا۔ چنانچہ وہ پھر مدائن واپس آگئے۔ ان کے واپس جاتے ہی ابنِ عامرؓ نے آگے بڑھ کر مدائن کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت حسنؓ پہلے ہی باہمی کشت و خون کو ناپسند کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کا رویہ دیکھ کر چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ ابنِ عامرؓ نے یہ شرطیں امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیں، انہوں نے سب کو من و عن منظور کر لیا۔

۴۱ھ ہجری میں امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عامر کو دوبارہ بصرہ کا گورنر بنا دیا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے بصرہ کی امارت پر کسی دوسرے شخص کو مامور کرنا چاہا تھا لیکن ابنِ عامرؓ نے ان سے کہا کہ بصرہ میں میرا بہت سا مال و متاع ہے اگر کوئی اور شخص وہاں کا گورنر بنا تو وہ سب برباد ہو جائے گا۔ اس پر امیر معاویہؓ نے انہیں ہی بصرہ کی ولایت سونپ دی۔

⑥

حضرت عبداللہؓ بن عامر دوسری مرتبہ بصرہ کے گورنر بن کر آئے تو انہیں اطلاع ملی کہ کابل، ہرات، بوشنج، بلخ، باذغیس وغیرہ کے شہر اور علاقے باغی ہو چکے ہیں۔ انہوں نے باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے قیس بن الہیثم کو خراسان، عبداللہ بن خازم کو ہرات اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کو سیستان کی طرف روانہ کیا۔ قیس بن الہیثم باغیوں کو کچلتے ہوئے بلخ پہنچے اور شہر کو مسخر کر کے وہاں کے مشہور آتش کدہ نوبہار کو مسمار کر دیا۔ عبداللہ بن خازم نے ہرات، بوشنج اور باذغیس کے باغیوں پر کاری ضربیں لگا کر اپنا مطیع بنایا۔

عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ علاقے پر علاقہ فتح کرتے کابل تک پہنچ گئے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ کابل نہایت شوریدہ سر تھے اس لیے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے محاصرے میں نہایت سختی کی۔ ایک رات فصیل پر منجنیقوں سے ایسی شدید سنگباری کی کہ ایک جگہ شگاف پڑ گیا۔ انہوں نے عباد بن حصین کو فوج کا ایک دستہ دے کر شگاف کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ صبح کو شہر والوں نے باہر نکل کر پُر زور مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پیشقدمی کر کے خواش بست، رزان اور خشک کے شہر فتح کیے اور پھر رخج کو جا گھیرا۔ اہلِ رخج نے تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار پھینک دیئے اور اطاعت قبول کر لی۔ رخج کی تسخیر سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایک خونریز جنگ کے بعد غزنہ کو دوبارہ فتح کیا۔ پھر انہوں نے قندھار پر پرچم اسلام بلند کیا اور ایک بار پھر کابل کی طرف بڑھے جہاں کے باشندے ان کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھا کر اپنی عادت کے مطابق پھر باغی ہو گئے تھے۔ کابلیوں نے پُر زور مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے انہیں بُری طرح کچل دیا اور کابل میں اپنے پاؤں مضبوطی سے جما لیے۔

۴۳ھ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن عامر نے عبداللہ بن سوار عبدی کو سواحلِ ہند کے شورہ پشت لوگوں کو سزا دینے کے لیے چار ہزار مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ مکران میں کئی ماہ رہے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے قیقان والوں کو سخت شکست دی اور مالِ غنیمت لے کر سیدھے دمشق پہنچے۔ وہاں انہوں نے امیر معاویہؓ کی خدمت میں کئی قیقانی گھوڑے پیش کیے۔

۴۴ھ ہجری میں ابنِ عامرؓ نے مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں ایک مہم سندھ کی طرف روانہ کی۔ بقول ابنِ اثیرؒ مہلب نے سندھ کی سرحد پر جنگ کی اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس کے بعد وہ فتح کا پرچم اڑاتے وطن واپس آئے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مہلب بن ابی صفرہ درۂ خیبر کے راستے سرزمینِ سندھ میں داخل ہوئے۔ اس زمانے میں پشاور سے ملتان تک کا سارا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مہلب پہلے عرب سپہ سالار ہیں جو درۂ خیبر کے راستے ہند یا سندھ میں داخل ہوئے۔

حضرت عبداللہؓ بن عامر کو دوسری مرتبہ بصرہ کی امارت پر فائز ہوئے تین ہی سال گزرے تھے کہ امیر معاویہؓ نے انہیں معزول کر دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ قبائل سے بہت نرمی کا سلوک کرتے تھے اور امیر معاویہؓ کے نزدیک یہ بات بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ابنِ عامرؓ کی جگہ ایک سخت گیر والی کو بصرہ بھیج دیا۔ معزولی کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عامر باختلافِ روایت مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چلے آئے۔ اور عزلت گزینی اختیار کر لی۔

ان کے سالِ وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۵۷ھ لکھا ہے اور بعض نے ۵۸ھ۔

ایک روایت میں ۵۹ھ ہجری بھی آیا ہے۔

۷

حضرت عبداللہؓ بن عامر نے اپنوں اور بیگانوں سے اپنی عسکری صلاحیتوں ہی کا لوہا نہیں منوایا بلکہ مخلوقِ خدا کی فلاح و بہبود کے لیے بھی بے نظیر کارنامے سرانجام دیئے۔ انہوں نے آغوشِ مادر میں محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن چاٹا تھا اور لسانِ رسالتؐ سے ان کے بارے میں یہ الفاظ نکلے تھے:۔

" یہ بچہ (بڑا ہوکر) مسقی (سیراب کرنے والا) ہوگا۔"

خیرالخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی حضرت عبداللہؓ بن عامر کے حق میں یوں پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں عرب کی خشک سرزمین کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ پانی مہیا کرنے کا بے پناہ جذبہ پیدا کردیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے بصرہ میں دو نہریں کھدوائیں۔ ان کے علاوہ نہرِ اُبلہ کی تعمیر کرائی۔ میدانِ عرفات میں حاجیوں کو پانی کی تکلیف ہوتی تھی۔ انہوں نے وہاں بڑے بڑے تالاب اور حوض بنوا کر نہروں کا پانی ان میں ڈالا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف مقامات پر بڑی کثرت سے کنوئیں کھدوائے اور بے آب و گیاہ زمینوں میں مختلف طریقوں سے پانی کی بہم رسانی کے انتظامات کیے۔ خلقِ خدا اور خشک زمینوں کو سیراب کرنے کے علاوہ انہوں نے اور بھی بہت سے رفاہِ عام کے کام کیے۔ النباج اور قریتین میں شجر کاری کی اور بصرہ میں بہت سے مکانات خرید کر بازار بنوایا۔

سرکاری سطح پر رفاہی کام کرنے کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن عامر نے ذاتی حیثیت میں بھی مخلوقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچایا۔ وہ طبعاً نہایت فیاض اور مخیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے انتہا مال و دولت سے نوازا تھا۔ دو مرتبہ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے، اس اعلیٰ منصب کی معقول تنخواہ تھی۔ اپنے زمانۂ امارت میں سینکڑوں فتوحات حاصل کیں۔ ان میں مالِ غنیمت کا حصہ بھی ملتا رہا۔ ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے نواح میں باغات اور زمینوں کی صورت میں بھی ان کی کافی جائداد تھی۔

پھر انہوں نے ایک کثیر رقم مختلف نوعیت کے کاروبار میں لگا رکھی تھی اس سے بھی معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ اس طرح وہ قریش کے سربرآوردہ رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس قدر دولت دی تھی اسی کے مطابق ان کا دل بھی کشادہ بنایا تھا۔ اپنا مال و دولت بے دریغ راہِ خدا میں خرچ کرتے رہتے تھے اور سینکڑوں غریبوں، یتیموں اور حاجت مندوں کی پرورش کرتے تھے۔ کوئی سائل ان کے در سے کبھی خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے مٹھیاں بھر بھر کر حاجت مندوں کو دیتے تھے۔ ابنِ اثیرؒ نے ان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

كان احد الاجواد الممدوحين

یعنی وہ عرب کے ان فیاضوں میں سے ایک فیاض تھے جن کی لوگ (شعراء) مدح کرتے تھے۔

بصرہ سے حج کرنے کے لیے مکہ آئے اور پھر مدینہ گئے تو ہزاروں روپے مہاجرین اور انصار میں تقسیم کیے اور ان کو خوش کر دیا۔ ان کی فیاضی اور سخاوت کا اعتراف بڑے بڑے صحابۂ کرامؓ کو بھی تھا۔ ابنِ جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی جگہ حضرت عبداللہؓ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بصرہ سے چلتے وقت اہلِ بصرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تمہارے پاس قریش کا ایک معزز نوجوان آ رہا ہے جو تم پر اس طرح (ہاتھوں سے بتا کر) روپیہ پیسہ برسائے گا۔"

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عامر نے وفات پائی تو مشہور شاعر زیاد اعجم نے ایک پُردرد مرثیہ لکھا جس میں خصوصیت کے ساتھ ابنِ عامرؓ جیسے مردِ سخی کی وفات کے ساتھ ان کی بے نظیر فیاضی کے خاتمہ کا سخت ماتم کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عمرؓو بن سعید اُموی

(۱)

غزوۂ تبوک (۹ھ ہجری) کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے جاں نثار کی ضرورت محسوس ہوئی جو دیانت و امانت سے متصف ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوں۔ اس سلسلہ میں آپؐ کی نگاہِ انتخاب اپنے جس شیدائی پر پڑی وہ بنو اُمیہ کے چشم و چراغ تھے اور تمام مطلوبہ اوصاف کے حامل تھے۔ حضورؐ نے انہیں خیبر، فدک اور تبوک کا عامل مقرر فرمایا اور اپنی دعاؤں کے ساتھ مدینہ منوّرہ سے روانہ فرمایا۔ یہ صاحب اپنے فرائضِ مفوّضہ نہایت حسن و خوبی اور تندہی سے انجام دیتے رہے یہاں تک کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال پا گئے۔ انہوں نے یہ روح فرسا خبر سُنی تو فرطِ الم سے نڈھال ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ مدینہ منوّرہ واپس آ گئے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندنشینِ خلافت ہو چکے تھے۔ خلیفۃؓ الرسولؐ نے انہیں پھر عہدِ رسالت کے عہدے پر واپس بھیجنا چاہا اور ان سے فرمایا، تم سے بڑھ کر اس عہدے کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ انہوں نے یہ کہہ کر واپس جانے سے معذرت کی کہ اے خلیفۃ الرسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار جن پر حضورؐ کو غیر معمولی اعتماد تھا اور جو حضورؐ کی وفات کے بعد کسی قسم کا منصب اور عہدہ قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، حضرت عمرؓو بن سعید اُموی تھے۔

(۲۰)

سیدنا ابو عقبہ عمرؓو بن سعید "السابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت کے ایک رکن تھے اور اپنے اخلاص فی الدّین اور دوسرے اوصافِ حمیدہ کی بدولت اہلِ حق میں بڑا بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کا تعلق بنو اُمیّہ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرؓو بن سعید بن عاص بن اُمیّہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قصیّ۔

والدہ کا نام صفیّہ تھا جو بنو مخزوم سے تھیں اور حضرت خالدؓ بن ولید کی پھوپھی تھیں۔ حضرت عمروؓ کے والد اور دادا سخت مشرک تھے لیکن ان کے بڑے بھائی خالدؓ بن سعید نہایت نیک فطرت تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو انہوں نے بلا تامّل اس پر لبیک کہا۔ حضرت عمروؓ بھی سعید الفطرت تھے انہوں نے بھائی کی پیروی کی اور ان کے قبولِ اسلام کے چند دن بعد وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ باپ اور دوسرے اہلِ خاندان نے ان پر قبولِ اسلام کے "جرم" میں بے پناہ سختیاں کیں لیکن نشۂ توحید ایسا نہیں تھا جو سختیوں کی ترشی سے اتر جاتا۔ اسی زمانے میں ان کے بھائی ابان بن سعید نے (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) دونوں بھائیوں کی ہجو کہی جس کا ایک شعر یہ تھا:

الا لیت میتًا بالظریبۃ شاھد
لما یفتری فی الدین عمرو و خالد

یعنی کاش ظریبہ میں موت کی نیند سونے والا (سعید بن عاص بن امیہ جو ظریبہ میں دفن تھا) دیکھتا کہ عمروؓ اور خالدؓ نے دین میں کیا افترا کیا ہے۔

حضرت عمروؓ بن سعید بھی شعر و شاعری میں درک رکھتے تھے انہوں نے یہ ہجو سُنی تو انہوں نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا مقطع یہ تھا:

ندع عنک میتا قد مضی بسبیلہ
واقبل علی الحق الذی ھو اظھر

یعنی اب اس موت کی نیند سونے والے کا ذکر چھوڑ دو وہ اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل ظاہر ہے۔

جب مشرکین کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو ۵ سنہ بعد بعثت میں حضورؐ نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ اس سال ایک چھوٹا سا قافلہ عازم حبشہ ہو گیا۔ اگلے سال تقریباً سو ذکور و اناث پر مشتمل ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی اس میں حضرت عمروؓ بن سعید، ان کی اہلیہ حضرت فاطمہؓ بنت صفوان کنانیہ، اور بھائی حضرت خالدؓ بن سعید بھی اپنی اہلیہ کے ہمراہ شامل تھے۔ حضرت عمروؓ اور حضرت خالدؓ اپنے اہل خاندان سمیت تیرہ برس تک حبش میں غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ غزوۂ خیبر کے زمانہ میں حبش سے مدینہ آئے۔ گو وہ اس میں شریک نہ ہو سکے تاہم حضورؐ نے مالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔

(۳)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عمروؓ بن سعید فتح مکہ کے موقع پر ان دس ہزار قدسیوں میں شریک ہوئے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے "کتاب استثنا" میں اس طرح اشارہ کیا گیا تھا:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں (نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔"

غزوۂ فتح (۸ سنہ ہجری) میں حضرت عمروؓ بن سعید نے حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے بعد غزوۂ حُنین اور غزوۂ طائف میں دادِ شجاعت دی۔ جیشِ عسرۃ (غزوۂ تبوک) میں بھی حضرت عمروؓ بن سعید ان تیس ہزار سرفروشوں میں شامل تھے جنہیں مدینہ منورہ سے سرحدِ شام تک تین سو میل کے پُرصعوبت سفر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کی سعادت نصیب ہوئی۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضورؐ

نے انہیں مدینہ منوّرہ کے مغربی علاقوں خیبر، فدک اور تبوک وغیرہ کا عامل مقرر فرمایا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد وہ مدینہ منوّرہ واپس آ گئے ــــ ابھی واپس آئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ سلطنتِ روم سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو گیا۔ شام اس زمانے میں رُومی سلطنت کا حصہ تھا۔ خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام پر فوج کشی کی تو حضرت عمروؓ بن سعید شام جانے والے مجاہدین میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔ دو تین معرکوں کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان اجنادین کے مقام پر نہایت سخت لڑائی ہوئی (۱۳ھ ہجری)۔ حضرت عمروؓ بن سعید اس معرکے میں بڑی بے جگری سے لڑے اور کئی بار دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ایک نازک موقع پر جب دشمن نے مسلمانوں پر زبردست دباؤ ڈال رکھا تھا انہوں نے مسلمانوں کو ثابت قدمی اور استقلال کی تلقین کی اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں مسلمانوں کے قدموں میں لغزش آتے نہیں دیکھ سکتا، مردانہ وار دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ جو سامنے آیا اسے مار گرایا اور برابر رومیوں کے قلبِ لشکر کی طرف بڑھتے گئے۔ آخر بے شمار رومیوں نے اس مردِ مجاہد کو گھیر لیا اور تیروں تلواروں اور خنجروں کا مینہ برسا دیا یہاں تک کہ ان کا سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ جب تلوار چلانے کی سکت نہ رہی تو زمین پر گر گئے اور جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ ان کے جسم پر تیس سے زیادہ زخم شمار کیے گئے۔ حضرت عمروؓ بن سعید اور ان جیسے دوسرے شہیدوں کا خون رائیگاں نہ گیا۔ رومیوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور وہ اپنے ہزاروں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت عمروؓ بن سعید نے اپنے جوشِ ایمان کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خون کو گرماتے رہیں گے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حضرت سعیدؓ بن عاص

①

حضرت سعیدؓ بن عاص کا شمار اُن صغارِ صحابہ میں ہوتا ہے جو اپنی بعض خصوصیات، خداداد صلاحیتوں اور کارناموں کی بدولت ناموری اور شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے۔ حضرت سعیدؓ کا تعلق بنو اُمیّہ سے تھا اور ان کے آباؤ اجداد بڑے بااثر اور ذی وجاہت رئیس تھے۔ حضرت سعیدؓ کے دادا ابو اُحیحہ سعید بن عاص کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ وہ جس رنگ کا عمامہ باندھتا تھا مکہ میں کوئی دوسرا شخص اس رنگ کا عمامہ نہیں باندھ سکتا تھا۔ اہلِ مکہ نے اس شخص کو "ذوالتاج" (تاج والا) کا لقب دے رکھا تھا۔

ابو اُحیحہ سعید بن عاص ذوالتاج کی اولاد میں اس کے پانچ بیٹوں، خالد، عمرو، ابان، عبیدہ اور عاص نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ خالدؓ، عمروؓ اور ابانؓ کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ اسلام سے بہرہ ور کیا جبکہ عبیدہ (ابو ذات الکرش) اور عاص اپنے کفر پر قائم رہے۔ یہ دونوں غزوۂ بدر (سنہ ۲ ھ) میں حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت سعیدؓ اسی عاص مقتولِ بدر کے فرزند تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سعیدؓ بن عاص بن ابو اُحیحہ سعید ذوالتاج بن عاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدِ مناف بن قصی۔

عبدِ مناف پر ان کا سلسلۂ نسب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے

مل جاتا ہے۔ ماں کا نام اُمِّ کلثوم تھا جو قریش کے خاندان عامر بن لُوئی سے تھیں۔
حضرت سعیدؓ کو براہِ راست فیضانِ نبوّیؐ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تاہم حضورؐ کے وصال (سنہ ۱۱ھ) کے بعد انہوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ سے مقدور بھر کسبِ فیض کیا اور فضلاءِ صحابہؓ میں شمار ہونے لگے۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ وہ نہایت بہادر، طبّاع اور دانشمند آدمی تھے۔ ان کو عربی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی اور ان کا لہجہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجے سے مشابہت رکھتا تھا۔

ابنِ عساکرؒ نے عہدِ رسالت سے متعلق حضرت سعیدؓ بن عاص کے بچپن کا ایک واقعہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑا پیش کیا اور ساتھ ہی عرض کی:

"یا رسول اللہ میں نے یہ نیت کر رکھی تھی کہ یہ کپڑا عرب میں سب سے بزرگ ہستی کو دوں گی۔ اب یہ آپ کی خدمت میں لائی ہوں۔"

اس وقت حضرت سعیدؓ بن عاص حضورؐ کے پاس کھڑے تھے۔ آپؐ نے اس عورت کا ہدیہ قبول فرمایا اور پھر اس سے فرمایا، یہ کپڑا اس لڑکے کو دے دے۔ اس نے حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس وجہ سے اس کپڑے کا نام سعدیہ مشہور ہو گیا۔

اس واقعہ سے حضرت سعیدؓ پر حضورؐ کی غیر معمولی شفقت ظاہر ہوتی ہے۔

۲

حضرت سعیدؓ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں نابالغ تھے۔ عہدِ فاروقی میں جوان ہوئے لیکن اس دَور میں تحصیلِ علم کے سوا ان کی کسی دوسری سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ ۲۴ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے قرآنِ پاک کی کتابت پر خاص توجہ دی اور اس کے متعدد نسخے نقل

کروانے کا فیصلہ کیا۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے انہوں نے جن صحابۂ کرامؓ کو مامور فرمایا، ان میں حضرت سعیدؓ بن عاص بھی شامل تھے۔ ۲۹ھ ۶۴۹ - ۶۵۰ء میں حضرت عثمانؓ نے حضرت سعیدؓ کو ولید بن عقبہ کی جگہ کوفہ کا والی (گورنر) مقرر کیا۔ ولایت کوفہ کے زمانے میں حضرت سعیدؓ نے کئی شاندار عسکری کارنامے سرانجام دیئے۔ کوفہ میں اپنے منصب کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے فوراً بعد انہوں نے جرجان اور طبرستان پر چڑھائی کی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعیدؓ کے لشکر میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بہت سے دوسرے نوجوانانِ قریش شامل تھے۔ ان کی لشکرکشی کی اطلاع حضرت عبداللہؓ بن عامر والیٔ بصرہ کو ملی تو وہ بھی طبرستان کی طرف بڑھے لیکن حضرت سعیدؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عامر کے پہنچنے سے پہلے ہی طبرستان کے بیشتر اہم مقامات دیاوند، طمیسہ، رویان، نامند وغیرہ فتح کر لیے۔ جرجان کے حکمران کو حضرت سعیدؓ کی فاتحانہ یلغار کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے دو لاکھ خراج دینا منظور کر کے اطاعت قبول کر لی۔ علامہ بلاذریؒ کے بیان کے مطابق کوہستانی علاقہ کے لوگوں نے بھی صلح کر لی۔ اسی زمانے میں آذربائیجان کے لوگوں نے سرکشی اختیار کی اور ہر طرف شورش برپا کر دی۔ حضرت سعیدؓ نے ایسی عسکری تدابیر اختیار کیں کہ چند دن کے اندر اندر ان لوگوں کے کس بل نکل گئے اور وہ خاکِ نامرادی چاٹنے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت سعیدؓ کو ولایتِ کوفہ پر فائز ہوئے چار پانچ سال ہی گزرے تھے کہ اہلِ کوفہ ان سے ناراض ہو گئے۔ ان کی ناراضی کے کیا اسباب تھے؟ اہلِ سیر نے ان کی تصریح نہیں کی۔ کوفیوں نے ان کے خلاف امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے پاس شکایت کی۔ اس کے نتیجے میں حضرت سعیدؓ کو ۳۴ھ میں اپنے عہدے سے دست کش ہونا پڑا۔ دست کشی کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ امیر المومنینؓ نے انہیں معزول کر دیا۔ دوسری یہ کہ امیر المومنینؓ نے اہلِ کوفہ کی

شکایت پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس پر کوفے کے دس آدمی بشمول مالک الاشتر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت سعیدؓ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت سعیدؓ بھی اس وقت کوفہ سے مدینہ آئے ہوئے تھے اور اس وقت امیرالمومنینؓ کی خدمت میں موجود تھے۔ امیرالمومنینؓ نے اہلِ کوفہ کی شکایت کو بے وزن قرار دیا اور حضرت سعیدؓ کو اپنے عہدے پر واپس جانے کا حکم دیا۔ مالک الاشتر نے بلا توقف کوفہ کو مراجعت کی اور اہلِ کوفہ کو حضرت سعیدؓ کے خلاف سخت اشتعال دلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت سعیدؓ کوفہ کو واپس جا رہے تھے، مالک الاشتر کے زیرِ اثر کوفیوں کی ایک بڑی جماعت نے ان کا راستہ روک لیا اور انہیں مدینہ واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ پھر مالک الاشتر نے کوفہ کی جامع مسجد میں ایک بڑا اجتماع کیا اور اس میں اپنی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے والیٔ کوفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے پہلے تو یہ ذمہ داری سنبھالنے سے انکار کر دیا لیکن جب سب لوگوں نے امیرالمومنینؓ کی وفاداری کا حلف اٹھایا تو وہ والی بننے پر رضامند ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کو ان واقعات کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت سعیدؓ کو واپس کوفہ بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے تقرر کی توثیق کر دی۔ اس کے بعد حضرت سعیدؓ مدینہ منورہ ہی میں رہے۔

(۳)

۳۵ھ ہجری میں باغیوں نے امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مکان کا محاصرہ کیا تو حضرت سعیدؓ بن عاص نے کچھ دوسرے نوجوان صحابہ کے ساتھ مل کر کاشانۂ خلافت کی حفاظت کا فرض انجام دیا۔ اس سلسلے میں باغیوں کے ساتھ جھڑپ میں وہ شدید مجروح ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعۂ ہائلہ پیش آیا تو حضرت سعیدؓ کو سخت صدمہ پہنچا اور وہ دل گرفتگی کے عالم میں مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اُمّ المومنین حضرت

عائشہ صدیقہؓ نے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا عَلَم بلند کیا اور حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور اپنے دوسرے حامیوں کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئیں تو حضرت سعیدؓ بھی ان کے ساتھ ہو لیے لیکن مرّ الظہران یا ذاتِ عرق کے قریب پہنچ کر ان سے الگ ہو گئے اور مکّہ جا کر عزلت گزینی کو ترجیح دی۔ انھوں نے نہ تو جنگِ جمل میں حصہ لیا اور نہ جنگِ صفّین میں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے چند ماہ بعد حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تو امیر معاویہؓ نے حضرت سعیدؓ کو مدینہ کا والی مقرر کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد انہیں معزول کر کے ان کی جگہ مروان بن الحکم کو مدینہ کا عامل بنا دیا۔ (ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سعیدؓ اور مروان کا عزل و نصب وقفے وقفے سے دو مرتبہ عمل میں آیا)

حضرت سعیدؓ نے آخری عمر میں مدینہ منوّرہ سے تین میل کے فاصلے پر "العقیق" میں مستقل اقامت اختیار کر لی جہاں ان کی مملوکہ اراضی تھی۔ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ "العقیق" یا "عرصۃ العقیق" ایک وسیع میدان تھا۔ عام طور پر وہاں مکانات تعمیر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت سعیدؓ نے حکومت سے خاص اجازت حاصل کر کے اپنی رہائش کے لیے ایک وسیع مکان بنوایا، کنواں لگوایا اور باغات و نخلستان بنوائے۔ انھوں نے باختلافِ روایت ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں اسی مکان میں وفات پائی۔ بقول حافظ ذہبیؒ ان کی میّت مدینہ منوّرہ لائی گئی اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کی گئی۔

حضرت سعیدؓ نے اپنے پیچھے سات بیٹے چھوڑے، عمر، محمد، عبداللہ، یحییٰ، عثمان، عنبسہ اور ابان۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت سعیدؓ کے کئی اور بھائی بھی تھے لیکن عاص کی نسل حضرت سعیدؓ کی اولاد ہی سے چلی۔

(۴)

اربابِ سیَر نے حضرت سعیدؓ کی شرافت، شجاعت، شہامت، عقل و حزم،

وقار و حلم، حق پسندی اور جود و سخا کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے ۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ سعیدؓ بن عاص اپنی ذہانت، قابلیت اور فہم و تدبر کی بنا پر خلیفہ بننے کے لائق ہیں ۔

علامہ ابن اثیرؒ نے " اُسد الغابہ " میں لکھا ہے کہ حضرت سعیدؓ کا والد عاص غزوۂ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا ۔ اس غزوہ میں اس کا ہمنام عاص (بن مغیرہ) اپنے بھانجے حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا ۔ اس اشتراکِ نام کی وجہ سے دھوکا ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعیدؓ کے والد عاص کو مارا ۔ چونکہ بنو امیہ میں خاندانی عصبیت بہت زیادہ تھی ۔ اس لیے حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ شاید سعیدؓ انہیں اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر اپنے دل میں ان کے خلاف کدورت رکھتے ہوں، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ایک دن انہوں نے حضرت سعیدؓ سے کہا " سعید میں نے بدر میں تمہارے والد کو نہیں بلکہ اپنے مشرک ماموں عاص کو قتل کیا تھا ۔" حضرت سعیدؓ نے فوراً جواب دیا، اگر آپ نے میرے والد کو بھی قتل کیا ہوتا تو کیا مضائقہ تھا ۔ آپ حق پر تھے اور وہ حق کا دشمن تھا ۔ حضرت عمرؓ کو اُن کے جواب پر خوشگوار حیرت ہوئی ۔ حضرت سعیدؓ کی سخاوت اور دریا دلی کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی ۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی سائل ان کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ واپس چلا جائے ۔ ان کی فیاضی دستِ سوال دراز کرنے والوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ ایسے حاجت مند شرفاء بھی جو غیرت کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے تھے، ان کی سخاوت سے متمتع ہوتے تھے ۔ وہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے پاس پہنچتے اور بلا سوال ان کی حاجتیں پوری کرتے تھے ۔ اگر کوئی سائل ایسے وقت آجاتا جب ان کے پاس روپیہ نہ ہوتا تو اس کو ایک تحریری یادداشت دے دیتے کہ جب روپیہ آجائے تو وصول کرلے ۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعیدؓ امارتِ کوفہ کے زمانے میں ہر جمعہ کی رات

کو کوفہ کی مسجد میں نمازیوں میں دیناروں سے بھری ہوئی تھیلیاں تقسیم کیا کرتے تھے۔ اس کام پر ایک خاص غلام مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ شبِ جمعہ کو مسجد میں نمازیوں کا غیر معمولی ہجوم ہوتا تھا۔ اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ بھی ان کا سلوک بہت فیاضانہ تھا۔ کپڑے، غلے، نقدی اور دوسری اشیائے ضرورت سے اکثر ان کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن اپنے تمام بھائی بھتیجوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ امارتِ مدینہ سے معزول ہونے کے بعد ایک دن مسجد سے نکلے تو ایک شخص ان کے ساتھ ہو لیا۔ اس نے واضح الفاظ میں تو سوال نہ کیا لیکن حضرت سعیدؓ بھانپ گئے کہ حاجتمند ہے۔ انہوں نے اپنے ایک غلام کو بلا بھیجا اور اس سے بیس ہزار کا وثیقہ لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا، جب میرا وظیفہ ملے گا تو اس وثیقہ میں لکھی ہوئی رقم تمہیں مل جائے گی۔ لیکن ابھی اس رقم کو ادا کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ حضرت سعیدؓ فوت ہو گئے۔ اس شخص نے یہ وثیقہ ان کے فرزند عمرو کو دیا۔ انہوں نے فوراً وثیقہ کی رقم ادا کر دی۔

ایسی ہی فیاضیوں اور داد و دہش کی وجہ سے ان پر اسّی ہزار کا قرض ہو گیا۔ وفات سے پہلے تمام بیٹوں کو بلا کر پوچھا تم میں سے کون میرا وصی بننا چاہتا ہے۔ بڑے لڑکے نے اپنے آپ کو پیش کیا تو فرمایا اگر میرے وصی بننا چاہتے ہو تو میرا قرض بھی ادا کرنا ہوگا۔

بیٹے نے پوچھا، "کتنا قرض ہے؟"

فرمایا، "اسّی ہزار"

بیٹے نے حیرت سے پوچھا، "اتنا قرض کیسے ہو گیا؟"

فرمایا، بیٹا، ان سفید پوش شرفاء اور غیور لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے میں جو گردشِ زمانہ سے مجبور ہو کر میرے پاس آتے تھے لیکن سوال کرنے سے اس قدر

شرماتے تھے کہ منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ میں ان کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ جاتا تھا کہ حاجت مند ہیں۔ انہیں سوال کرنے کا موقع ہی نہ دیتا تھا اور ان کی حاجت پوری کر دیتا تھا۔

حضرت سعیدؓ کی عقل و دانش کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے بہت سے اقوال ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ ان کے اس قسم کے متعدد اقوال حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں نقل کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- شریف سے مذاق نہ کرو کہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے گا، (غلاز کھانے لگے گا۔)
- کمینہ سے مذاق نہ کرو کہ وہ جری ہو جائے گا۔
- جس نے سوال کیا اس کا سوال پورا کر دو اور اس بات کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو کہ وہ حقیقتاً محتاج ہے یا نہیں۔
- کوئی شریف آدمی گردشِ زمانہ کا شکار ہو جائے تو خود آگے بڑھ کر اس کی مدد کرو تاکہ وہ سوال کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔
- کسی چیز کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے میں احتیاط سے کام لو۔ ایسا نہ ہو کہ آج ایک چیز کی تعریف کر دی اور کل اس کی مذمت کرنے لگو۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حضرت عباسؓ بن عُبادہ انصاری

(۱)

سنہ ۱۱ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ حق کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ اہلِ طائف کی بدبختی کہ انہوں نے نہ صرف دعوتِ توحید کو رَدّ کر دیا بلکہ عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھ کر آپؐ سے سخت بدسلوکی بھی کی۔ لیکن حضورؐ عزم و استقامت کا پہاڑ تھے آپؐ اہلِ طائف کے رویّہ سے مطلق دل برداشتہ نہ ہوئے اور مکہ واپس تشریف لا کر حسبِ سابق تبلیغِ حق میں مشغول ہو گئے۔ آپؐ کا معمول تھا کہ ایامِ حج میں زائرینِ حرم کے پاس جا کر انہیں دعوتِ توحید دیتے تھے اور وقتاً فوقتاً مختلف قبائل میں جا کر ان کے سامنے بھی دینِ حق پیش کرتے تھے۔ رؤسائے قبائل بڑے روکھے سوکھے جواب دیتے تھے اور زائرینِ حرم پر بھی دعوتِ توحید کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا لیکن سنہ ۱۱ بعدِ بعثت کے موسمِ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب صورت پیدا کی۔ حضورؐ تبلیغ کرتے کرتے منیٰ میں چند ایسے خیموں کے پاس پہنچ گئے جہاں یثرب سے آئے ہوئے چند سعید الفطرت لوگ قیام پذیر تھے۔ یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے۔ حضورؐ نے جب ان کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی بیان کرنی شروع کی تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے قرآنِ حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پگھل گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا، واللہ یہ تو وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہودِ یثرب کی زبان پر رہتا ہے دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبولِ حق میں سبقت نہ لے جائیں —— یہ کہہ کر سب اسی وقت مشرف بہ ایمان ہو گئے۔

قبیلہ خزرج کے ان چھ نفوسِ قدسی کا قبولِ اسلام گویا یثرب میں صبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ انہوں نے یثرب واپس جاکر نہایت تندہی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ یوں چراغ سے چراغ جلنے لگا اور یثرب کے سعید الفطرت لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ چنانچہ اگلے سال ۱۲ھ بعد بعثت میں بارہ مسلمان سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کرنے کے لیے مکہ پہنچے۔ اللہ کے ان بارہ پاکباز بندوں میں قبیلہ خزرج کی شاخ بنو سالم کے ایک فرزند عباسؓ بن عبادہ (بن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عمرو بن عوف بن خزرج) بھی شامل تھے۔ ان کا شمار اپنے قبیلے کے بہادر جوانوں میں ہوتا تھا۔ شجاعت اور شہامت کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے توحید کی آواز کانوں میں پڑتے ہی بلا تامل اس پر لبیک کہا اور آنے والے موسمِ حج میں گیارہ دوسرے یثربی اہل ایمان کے ساتھ مکہ جاکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ان چھ باتوں پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

① ہم شرک نہ کریں گے۔

② ہم چوری نہ کریں گے۔

③ ہم بدکاری نہ کریں گے۔

④ ہم کسی کی چغلی نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے۔

⑤ ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔

⑥ ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اچھی باتوں میں اطاعت کریں گے۔

تاریخ میں یہ بیعت "بیعت عقبۂ اولیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔

واپسی کے وقت ان اصحاب نے حضورؐ سے درخواست کی کہ انہیں قرآن پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کے لیے ایک معلم عطا کریں۔ حضورؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو یہ خدمت تفویض فرمائی اور ان کو اس مقدس قافلے کے ساتھ یثرب روانہ کر دیا۔

۲

حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کی تبلیغی مساعی سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ ۱۳ھ بعدِ بعثت کے موسمِ حج میں یثرب سے پانچ سو آدمیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ روانہ ہوا تو اس میں خزرج اور اوس کے ۷۵ اہلِ ایمان بھی شامل ہو گئے۔ (۷۳ مرد اور ۲ عورتیں)۔ ان میں حضرت عباسؓ بن عبادہ بھی شامل تھے۔ ان اصحاب نے یثرب سے چلتے وقت فیصلہ کیا تھا کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں گے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مقرر کی اور یثربی اہلِ ایمان اپنے قافلے کے مشرکین سے درپردہ رات کے اندھیرے میں عَقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئے۔ حضورؐ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عباسؓ کو انصار کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے برادرانِ یثرب محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں نہایت معزّز و محترم ہیں۔ ان کی دعوت سے اختلاف رکھنے والے بیشتر اہلِ مکہ ان کے سخت دشمن ہیں تاہم ہم نے ہمیشہ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ہے اور آئندہ بھی اپنی پوری طاقت سے کریں گے۔ اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو تو کوئی بات کرنا۔ خوب سمجھ لو کہ محمدؐ سے کوئی عہد و پیمان کرنا ہولناک مصائب اور خونریز جنگوں کو دعوت دینا ہے اس لیے سب کچھ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ورنہ اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر حضرت براءؓ بن معرور جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

"اے عباس ہم نے تیری بات سنی تو ہماری بھی یاد رکھ کہ ہم نامرد نہیں ہیں، ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے ...."

دوسرے انصار نے ان کی بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ آپ بھی کچھ فرمائیے۔"

حضورؐ نے قرآنِ حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی اور اہلِ یثرب کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی، پھر فرمایا :۔

"میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم جس طرح اپنی جانوں اور اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری حفاظت کروگے اور اشاعتِ دین میں میری اعانت کروگے۔"

حضرت براءؓ بن معرور نے آپؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور کہا :

"یا رسول اللہ، خدا کی قسم ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت واعانت کریں گے۔"

حضرت ابوالہیثمؓ بن تیہان نے ان کی بات کاٹ کر کہا :

"یا رسول اللہ اس وقت ہمارے اور یہود کے درمیان معاہدات ہیں جو بیعت کے بعد فسخ ہو جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار اور قوت پا کر ہمیں چھوڑ دیں۔"

حضورؐ متبسم ہوئے اور فرمایا :۔

"بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو تم جس سے لڑوگے میں بھی اس سے لڑوں گا اور جس سے تم صلح کروگے میں بھی اس سے صلح کروں گا۔"

حضورؐ کے ارشادات سن کر سب یثربی اہلِ ایمان بیعت کے لیے لپکے اس وقت حضرت عباسؓ بن عبادہ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا :

"دوستو! اچھی طرح سمجھ لو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ بیعت عرب وعجم کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ خوب جان لو کہ تم پر ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ ہمارے شرفا قتل ہوں، ہمارا مال برباد ہو جائے، ہماری عزت وناموس خطرے میں پڑ جائے۔ اس وقت ایسا

نہ ہو کہ مشکلات و مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو۔"

سب انصار نے بیک آواز کہا :۔

"ہاں ہاں ہم سب خطرات کو دیکھ کر بیعت کر رہے ہیں۔"

اس کے بعد حضورؐ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"میں تم سے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو پناہ دو اور جس طرح اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو۔"

سوال ہوا :۔

"یا رسول اللہ اگر ہم یہ سب کام کریں تو اس کا صلہ ہمیں کیا ملے گا۔"

حضورؐ نے فرمایا : "جنت"

یہ سن کر انصار کے قلوب ایمان و یقین کے نور سے منور ہو گئے اور وہ بولے :

"تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم اس کے لیے راضی ہیں۔"

اس کے بعد سب یکے بعد دیگرے حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہو گئے۔

یہ بیعت تاریخ میں بیعت عقبۂ ثانیہ، بیعت عقبۂ کبیرہ اور بیعت لیلۃ العقبہ کے ناموں سے مشہور ہے اور تاریخ اسلام میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ واقعی یہ عرب و عجم اور جن و انس سے جنگ کرنے کی بیعت تھی۔ اس وقت سرزمین عرب کا ذرہ ذرہ علمبرداران حق کے خون کا پیاسا تھا اور عرب کے کسی قبیلے کی یہ جرأت نہ تھی کہ وہ اہل حق کی حمایت کا اعلان کرے۔ اس وقت ارضِ یثرب کے یہ مقدس انسان اٹھے اور انہوں نے کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کو مکہ کے دُرِ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا اور آپؐ سے استدعا کی کہ ارضِ یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں۔ اپنے آقا و مولا سے

انہوں نے اس مقدس رات کو جو پیمانِ وفا باندھا اپنے عمل سے انہوں نے واقعی سچ کر دکھایا ——— مبارک تھیں وہ ہستیاں جنھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر یہ پیمانِ وفا باندھا اور زندگی کے آخری دم تک پورے صدق و اخلاص کے ساتھ اسے نباہا۔

اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ جب یہ بیعت ہو چکی تو حضرت عباسؓ بن عبادہ نے اُٹھ کر بڑے جوش سے کہا:۔

"یارسول اللہ اگر آپؐ پسند فرمائیں تو ہم صبح ہوتے ہی دشمنانِ حق کو اپنی تلواروں کا مزہ چکھا دیں۔"

حضورؐ نے فرمایا، "نہیں ابھی اس کا حکم نہیں ہوا"

(۲)

بیعت عقبۂ کبیرہ کے بعد حضرت عباسؓ بن عبادہ اور ان کے دو تین ساتھی مکہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ (ایک دوسری روایت کے مطابق وہ یثرب واپس گئے اور پھر وہاں سے مکہ آئے اور مکہ کے اہلِ حق کے ساتھ رہنے لگے) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت الی المدینہ کا اذن دیا تو وہ بھی ان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اسی لیے ان کو مہاجری انصاری کہا جاتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کے بعد چند دن قُبا میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے خاص یثرب (مدینہ) میں نزُولِ اجلال فرمایا۔ انصارِ مدینہ نے اپنے دیدہ و دل آپؐ کے سامنے فرشِ راہ کر دیئے اور ایسے والہانہ جوش و خروش سے آپؐ کا استقبال کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضورؐ بنو سالم کے محلے سے گزرے تو بنو سالم کے عمائدین میں سے حضرت عباسؓ بن عبادہ اور حضرت عتبانؓ بن مالک نے نہایت عقیدت اور اخلاص کے ساتھ آپ کو اهلاً وسهلاً کہا۔ اور بصد ادب التجا کی کہ ہمارا غریب خانہ حاضر ہے۔ حضورؐ اس میں قدم رنجہ فرمائیں

لیکن یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مقدر میں لکھ رکھی تھی۔ اس لیے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبۂ اخلاص کی تحسین کرتے اور دعائیں دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

چند ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت عباسؓ بن عُبادہ کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کا دینی بھائی بنایا۔

رمضان ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا۔ حضرت عباسؓ بن عُبادہ کسی خاص وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اس کی تلافی انھوں نے اگلے سال غزوۂ اُحد میں شریک ہو کر اس طرح کی کہ سر سے کفن باندھ کر لڑے اور اپنی جان کا نذرانہ راہِ حق میں پیش کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق ان کو مکّہ کے ایک مشرک سفیان بن عبدِ شمس نے شہید کیا۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاِصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ بن عُبادہ اپنی شہادت سے پہلے کچھ عرصہ اصحابِ صُفّہ میں بھی شامل رہے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

حضرت حرامؓ بن مِلحان انصاری

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارضِ مکّہ کو الوداع کہہ کر مدینہ منوّرہ میں نُزُولِ اِجلال فرمایا تو بعض انصاری صحابہؓ نے بڑے ذوق وشوق سے آپؐ سے قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کی اور پھر اسی ذوق وشوق سے یہ تعلیم دوسروں کو بھی دی۔ قرآنِ حکیم سے غیر معمولی شغف رکھنے والے ان اصحاب میں مدینہ منوّرہ کے ایک جوانِ رعنا حرامؓ بن ملحان بھی تھے۔ اُن کا تعلق انصار کے معزّز ترین خاندان بنونجّار سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

حرامؓ بن ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

حضرت اُمِّ سُلَیمؓ اور حضرت اُمِّ حرامؓ جن کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، حضرت حرامؓ بن ملحان کی بہنیں تھیں۔ وہ دُور کے رشتہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی تھیں، اسی نسبت سے حضرت حرامؓ بھی حضورؐ کے ماموں ہوتے تھے۔

حضرت حرامؓ بن ملحان کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ہجرتِ نبوی سے پہلے اپنی بہنوں کے ساتھ ہی قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنے دوسرے انصاری بھائیوں کے ساتھ والہانہ جوش وخروش سے آپؐ کا استقبال کیا اور پھر شب و روز نبوّت کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں قرآن وسُنّت کے عالم بن گئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ اکثر قرآن پڑھا کرتے

تھے اور رات کو قرآن کا درس دیا کرتے تھے، اسی بناء پر "قاری" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت حرام نہایت ہی مخلص مسلمان تھے اور ان کے جوشِ ایمان کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ رات کو درسِ قرآن سے فارغ ہو کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے اور صبح تک نمازیں پڑھتے رہتے۔ دن کے وقت انہوں نے مسجدِ نبوی اور اصحابِ صُفہ کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ مسجدِ نبوی میں پانی بھر کر رکھتے پھر جنگل جا کر لکڑیاں لاتے اور انہیں فروخت کر کے اصحابِ صُفّہ اور دوسرے محتاج مسلمانوں کے لیے سامانِ خورد ونوش مہیا کرتے۔ اپنے اعلیٰ اخلاق اور جذبۂ اخلاص کی بدولت انھوں نے بارگاہِ رسالت میں درجۂ تقرب حاصل کر لیا تھا اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور شفقت کا مَوردِ بن گئے تھے۔

رمضان سنہ ۲ ہجری میں حق و باطل کا معرکۂ اوّل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت حرام کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ وہ شروع سے اخیر تک سر بکف ہو کر لڑے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اگلے سال سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور اپنی شجاعت و بسالت کے جوہر دکھائے۔

صفر سنہ ۴ ہجری میں بنو کلاب کا رئیس ابو براء عامر بن مالک نجد سے مدینہ منورہ آیا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضورؐ نے اس کی درخواست قبول کرنے میں تامل فرمایا کیونکہ چند دن پہلے بنو عامر کا سردار عامر بن طفیل جو ابو براء کا بھتیجا تھا، یہ پیغام بھیج چکا تھا کہ محمدؐ مجھے اپنا جانشین بنائیں یا نرم زمین والوں پر وہ حکومت کریں اور سخت زمین والوں پر میں۔ ورنہ میں ہزاروں جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دوں گا ــــــ لیکن ابو براء نے بار بار یقین دلایا کہ جو مسلمان اس کے ساتھ جائیں گے وہ ان کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہو گا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابو براء کی یقین دہانی پر) ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کی قیادت میں نجد کی طرف بھیجا۔[1] ان میں زیادہ تعداد انصار اور اصحاب صُفّہ کی تھی جو قرآن کریم کے حافظ تھے اور قُراء کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ روانہ کیا۔ یہ اصحاب مدینہ سے رخصت ہو کر بئر معونہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے۔ یہ مقام مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ یہ بنی سُلیم کا ایک چشمہ تھا جو بنی عامر اور بنو سُلیم کے علاقوں کے درمیان واقع تھا۔

حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن مِلحان سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ اُس بدبخت نے حضور کا والا نامہ پڑھنا تک گوارا نہ کیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے آ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا جو ان کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے خون کا چلّو بھر کر اپنے چہرے اور سر پر چھڑکا اور فرمایا: "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" (ربّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) ساتھ ہی زمین پر گر پڑے اور تاجِ شہادت سر پر رکھے خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ جس شخص نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن مِلحان کو نیزہ مارا وہ جبّار بن سلمٰی کلابی تھا۔ جبّار نے بعد میں لوگوں سے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب پوچھا کہ "میں کامیاب ہو گیا" سے کیا مراد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جنّت کے حصُول میں کامیاب ہو گیا۔ جبّار نے یہ سُن کر

---

[1] امام ابن اسحاق اور حافظ ابن کثیر کا بیان مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضور نے ابو براء کے ساتھ چالیس صحابہ کرام بھیجے۔ ان کا امیر حضرت منذر بن عمرو انصاری کو مقرر فرمایا۔ حضرت حرام بن ملحان بھی ان چالیس صحابہ میں شامل تھے۔ ہم نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

کہا۔ "خدا کی قسم انہوں نے سچ کہا۔" اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت حرامؓ کی شہادت کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے بنو عامر سے کہا کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرو، لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے اس میں عذر کیا اس پر عامر نے اردگرد کے بعض قبائل بنو سُلیم، رعل اور ذکوان وغیرہ کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مسلمان حضرت حرامؓ کی شہادت کی خبر سن کر خود موقع پر پہنچ گئے۔ عامر بن طفیل اور اس کے کثیر التعداد ساتھیوں نے مٹھی بھر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا اور دو کے سوا باقی سب کو ایک ایک کر کے شہید کر ڈالا۔ ان دو میں سے ایک حضرت کعبؓ بن زید انصاری تھے جو شدید زخمی ہوئے اور کفار نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ دوسرے حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری تھے جنھیں نجدیوں نے گرفتار کر لیا بعد میں وہ موقع پا کر بھاگ نکلے (یا بروایتِ دیگر عامر بن طفیل کی ماں نے اپنی ایک مَنّت پوری کرنے کے لیے انہیں آزاد کر دیا)۔

حضرت عمروؓ بن امیہ نے مدینہ پہنچ کر اس دردناک واقعہ کی خبر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپؐ کو شدید صدمہ پہنچا۔ آپؐ عام طور پر کسی کے لیے بد دعا نہیں کرتے تھے لیکن اصحابِ بئر معونہ کی المناک شہادت نے آپ کو اس قدر غمزدہ کیا کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ مسلسل ایک ماہ تک بدبخت قاتلوں کے حق میں بددعا کرتے رہے۔ حضورؐ نے حضرت حرامؓ بن ملحان کو ہمیشہ یاد رکھا۔ آپؐ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُمِّ حرامؓ اور اُمِّ سُلَیمؓ پر رحم آتا ہے کہ ان کے بھائی نے مظلومانہ شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ،

حضرت حسیل الیمان رضؓ

اہلِ سیر نے حضرت حسیل الیمانؓ کا نام تین طریقوں سے لکھا ہے، حُسَیل (بروزنِ حُسَین)، حِسِیل (بروزنِ قتیل) اور حِسُل۔ ان کی کنیت "ابوحذیفہ" پر سب اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت ابوحذیفہ حسیلؓ کا تعلق غطفان کے خاندان عبس سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حسیلؓ بن جابر بن عمرو بن ربیعہ بن فروہ بن حارث بن مازن بن قطیعہ بن عبس ـــــ

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حسیلؓ کے دادا کا نام یمان تھا اس لیے وہ بھی یمان کے لقب سے مشہور ہو گئے اِس کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ انہوں (حسیل کے دادا یا بروایتِ خود حسیلؓ) نے اپنے قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور بھاگ کر مدینہ آ گئے تھے۔ یہاں انہوں نے بنی عبدالاشہل سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا اور اسی خاندان کی ایک خاتون ربابؓ بنتِ کعب (بن عدی بن عبدالاشہل) سے نکاح کر لیا۔ چونکہ یمنی تھے اس لیے ان کے حلیف انہیں الیمان کہنے لگے۔

حضرت حسیلؓ کے قبولِ اسلام کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت ہے کہ وہ اپنے فرزند حضرت حذیفہؓ کے ساتھ ہجرتِ نبوی سے قبل شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ بقول ابنِ اثیرؒ حضرت حذیفہؓ ہجرت سے پہلے مکہ پہنچے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت اور نصرت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضورؐ نے ان کے لیے ہجرت کے بجائے نصرت تجویز کی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسیلؓ، ان کی اہلیہ ربابؓ بنت کعب اور دو فرزندوں حذیفہؓ اور صفوانؓ نے ہجرت کے بعد (یعنی حضورؐ کے مدینہ میں رونق افروز ہونے کے فوراً بعد) اسلام قبول کیا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حسیلؓ اپنے فرزند حضرت حذیفہؓ کے ہمراہ غزوہ میں شریک ہونے کے لیے نکلے۔ سوئے اتفاق سے راستہ میں مشرکین قریش کے ہاتھ پڑ گئے۔ انہوں نے کہا، تم شاید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا رہے ہو ہم تمہیں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ حضرت حسیلؓ نے کہا، ہم مدینہ جاتے ہیں اس پر تم کو کیا اعتراض ہے؟ مشرکین نے کہا، اچھا تو قسم کھاؤ کہ لڑائی میں (محمدؐ کی حمایت میں) شریک نہ ہوگے۔ دونوں نے طوعاً وکرہاً لڑائی میں شریک نہ ہونے کا وعدہ کرلیا۔ اس پر کفّار نے انہیں رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا، اپنے عہد پر قائم رہو اور گھر واپس جاؤ۔ باقی رہی فتح ونصرت تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہم اسی سے طلب کریں گے۔

غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں حضرت حسیلؓ اپنے فرزند حضرت حذیفہؓ کے ساتھ مشرکین سے لڑنے کے لیے نکلے۔ حضورؐ نے حضرت حسیلؓ کا ضعف دیکھا تو آپؐ نے انہیں ایک دوسرے ضعیف العمر بزرگ حضرت ثابتؓ بن وقش کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے پاس ایک بلند ٹیلے پر (یا ایک قلعے میں) بٹھا دیا۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے ان دونوں کو عورتوں اور بچوں کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ میدان کارزار گرم ہوا تو دونوں بزرگوں کو جوشِ جہاد نے بے تاب کر دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا: لا اب لک (کلمۂ غیرت یعنی تیرا باپ مرے) ہم یہاں کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں آج نہ مرے کل مرے چلو اللہ کی راہ میں لڑیں شاید اللہ تعالیٰ نعمتِ شہادت نصیب کرے۔ چنانچہ دونوں بزرگ تلواریں سونت کر میدانِ وغا میں پہنچ گئے۔ حضرت ثابتؓ بن وقش کو مشرکین نے شہید کر دیا۔ حضرت حسیلؓ کو مسلمان افراتفری کے عالم میں پہچان نہ سکے اور ان پر تلواریں مارنے لگے۔ حضرت حذیفہؓ ہر چند پکارتے رہے "یہ میرے والد ہیں، یہ میرے والد ہیں" لیکن لڑائی کے ہنگامے میں کسی نے ان کی نہ سُنی اور حضرت حسیلؓ مسلمانوں کے ہاتھوں جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

حضرت حذیفہؓ کو والدِ گرامی کی شہادت کا صدمہ تو بہت ہوا لیکن انہوں نے

بڑے صبر سے کام لیا اور "یغفر اللہ لکم" (اللہ تم لوگوں کی مغفرت فرمائے) یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے حضرت حذیفہؓ کو بلا کر بہت افسوس کا اظہار فرمایا اور جیبِ خاص سے حضرت حسیل شہیدؓ کی دیت عطا فرمائی، لیکن حضرت ابو حذیفہؓ کی حمیت نے اسے لینا گوارا نہ کیا اور انہوں نے اسے مساکین پر صدقہ کر دیا۔ حضورؐ نے ان کے جذبۂ خیر کی تحسین فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہ واقعہ سُنا تو فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ماجور و مثاب ہیں (یعنی دونوں کو جہاد کا اجر و ثواب ملے گا۔)

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ربابؓ بنت کعب کے بطن سے حضرت حسیلؓ کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ حذیفہؓ، سعد، صفوانؓ، مدلج اور لیلےٰ۔ ان میں سے صرف حضرت حذیفہؓ اور حضرت صفوانؓ کو قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت حذیفہؓ کو بارگاہِ نبوی میں درجۂ تقرب حاصل ہوا اور وہ "صاحبُ السِّر" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز داں) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ
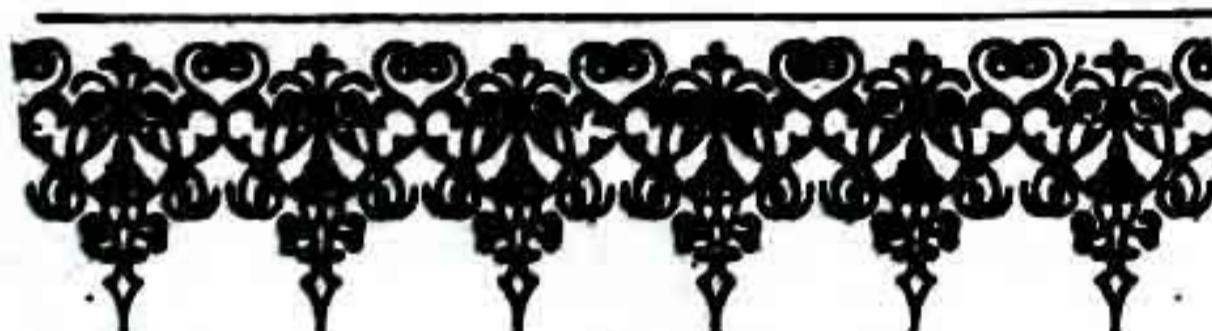
حضرت عبداللہ ؓ بن زید (بن عاصم) انصاری

①

حضرت ابو محمد عبداللہ ؓ بن زید بن عاصم نے اس جلیل القدر ماں کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی تھی جس کی کتابِ حیات میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت اور راہِ حق میں اپنی جان اولاد اور مال قربان کر دینے کے جذبہ کے ابواب اتنے روشن ہیں کہ آج بھی ان کی تابانی سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ خاتون تھیں نسیبہ ؓ بنتِ کعب جو تاریخ میں اپنی کنیت اُمِ عُمَارہ سے مشہور ہیں اور پھر وہ اس بھائی کے ساتھ پلے بڑھے جس نے اپنا بند بند کٹا دیا لیکن راہِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ اُن کے جلیل القدر بھائی تھے حبیب ؓ بن زید بن عاصم۔

حضرت عبداللہ ؓ بن زید خزرج کی معزز ترین شاخ بنو نجار کے چشم و چراغ تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ ؓ بن زید بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

حضرت عبداللہ ؓ کے والد زید بن عاصم نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ وہ حضرت عبداللہ ؓ کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ ان کی والدہ حضرت اُمِ عمارہ نہایت نیک فطرت خاتون تھیں۔ ان کا شمار انصار کے سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ وہ اس زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں جب بیعت عقبۂ اولیٰ (۱۲ سنہ نبوت) کے بعد حضرت مصعب ؓ بن عمیر یثرب میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ۱۳ سنہ نبوت میں انہیں اُن بہتّر نفوسِ قدسی میں شامل ہونے

کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے لیلۃ العقبہ میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور اس عہد کے ساتھ آپؐ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حمایت و حفاظت کریں گے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اُم عُمارہؓ کے فرزند حضرت عبد اللہؓ اور حضرت حبیبؓ ان کے ساتھ ہی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے اور بعض میں ہے کہ جب حضورؐ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہ اس وقت مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ان روایات کی تطبیق یوں کی جا سکتی ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے اپنی ماں کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئے لیکن حضورؐ سے بیعت کا شرف ہجرت کے بعد حاصل کیا۔

(۲)

غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ ہجری) میں حضرت عبد اللہؓ بن زید کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اربابِ سِیَر کے نزدیک وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے اور بعض نے لکھا ہے کہ ان کی عمر اس وقت پندرہ برس سے کم تھی اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے البتہ غزوۂ بدر کے بعد عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں ان کے شریک ہونے پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحد (۳ھ ہجری) میں حضرت عبد اللہؓ بن زید اپنی والدہ حضرت اُمِّ عمارہؓ اور بھائی حضرت حبیبؓ بن زید کے ساتھ شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ ان کی والدہ نے تو اس لڑائی میں ایسی عدیم المثال شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا کہ خاتونِ اُحد کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمان انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت حضورؐ کے قریب گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ اس سے پہلے حضرت اُمِّ عمارہؓ دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلا رہی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کر رہی تھیں۔ جب انہوں نے حضورؐ کو خطرے میں دیکھا تو مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور حضورؐ کے قریب

پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ سپر ہوگئیں۔ کفار بار بار یورش کر کے حضورؐ کی طرف بڑھتے اور حضرت اُمِّ عمارہؓ انہیں دوسرے سرفروشوں کے ساتھ مل کر تیر اور تلوار سے روکتیں اتنے میں ایک مشرک نے تاک کر ان کے سر پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ انہوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آرہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ کو پکار کر فرمایا:

"عبداللہ اپنی ماں کی مدد کر"

وہ فوراً ادھر لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے حملہ کرنے والے مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور حضرت عبداللہؓ کا بایاں بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عبداللہؓ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا:۔

"بیٹے جاؤ جب تک دم میں دم ہے لڑو۔"

حضورؐ نے ان کا جذبۂ فدویت دیکھ کر فرمایا "اے اُمِّ عمارہ جتنا حوصلہ تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں ہوگا۔"

اسی اثنا میں وہی مشرک جس نے حضرت عبداللہؓ کو زخمی کیا تھا، پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ حضورؐ نے حضرت اُمِّ عمارہؓ سے فرمایا، "اُمِّ عمارہ سنبھلنا، یہ وہی بدبخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا تھا۔" حضرت اُمِّ عمارہؓ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر متبسم ہوگئے اور فرمایا: "اُمِّ عمارہ تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔"

غرض حضرت اُمِّ عمارہؓ اخیر تک اسی طرح سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑتی رہیں یہاں تک کہ سخت زخمی ہوگئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے جسم پر بارہ زخم لگے۔ لڑائی کے بعد حضورؐ نے خود ان کی مرہم پٹی کروائی اور کئی بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا:

"واللہ آج اُمِّ عمارہ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ اُحد کے دن میں دائیں بائیں جس طرف نظر ڈالتا تھا اُمِ عمارہ ہی اُمِ عمارہ لڑتی نظر آتی تھیں۔

(۴)

غزوۂ اُحد کے بعد حضرت عبداللہؓ بن زید نے غزوۂ احزاب میں دادِ شجاعت دی۔ ۶ھ ہجری میں انہوں نے حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل کیا اور یوں "اصحاب الشجرہ" کی اس مقدس جماعت میں شامل ہو گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ اس کے بعد وہ اپنی والدہ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے، پھر ۷ھ ہجری میں والدہ کے ساتھ عمرۃ القضا میں حضورؐ کی معیت کا شرف حاصل کیا۔ ۸ھ ہجری میں ان کو ان دس ہزار قدسیوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی جو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اور جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے توریت (کتابِ استثنا) میں یوں پیشنگوئی کی گئی تھی:

> "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا — فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے آتشیں شریعت تھی۔"

اسی سال انہوں نے غزوۂ حنین میں دادِ شجاعت دی، والدہ بھی ساتھ تھیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو ایکا ایکی سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی۔ مرتدین میں سب سے طاقتور نجدی قبیلہ بنو حنیفہ کا رئیس مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے اور شعبدہ بازیوں کے بل پر چالیس ہزار جنگجو بدوی اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیے! اسی زمانہ میں حضرت عبداللہؓ کے بھائی حضرت حبیبؓ بن زید عمان سے مدینہ آ رہے تھے کہ ظالم مسیلمہ کے ہاتھ پڑ گئے۔ اس نے ان کو بھی ارتداد پر مجبور کیا لیکن انہوں نے صاف انکار

کر دیا۔ مسیلمہ نے ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ ڈالا لیکن وہ آخر دم تک یہی کہتے رہے "میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔"

ان کی مظلومانہ شہادت کی خبر سن کر حضرت اُم عمارہؓ اور حضرت عبداللہؓ کو سخت صدمہ پہنچا لیکن حضرت حبیبؓ کی ثابت قدمی پر خدا کا شکر بجا لائے اور عہد کر لیا کہ مسیلمہ سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور کیا تو حضرت اُم عمارہؓ اور حضرت عبداللہؓ دونوں حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مسیلمہ نے لڑائی کی زبردست تیاری کر رکھی تھی اس نے چالیس ہزار جنگجو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑے کیے۔ عقربار (یمامہ) کے مقام پر مرتدین اور اہلِ حق کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ کبھی مسلمان پیچھے ہٹ جاتے اور کبھی وہ مرتدین کو پیچھے دھکیل دیتے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے لڑائی کا یہ رنگ دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں کے تمام قبائل کو الگ الگ کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے عَلَم کے نیچے لڑے تاکہ پتہ چل جائے کہ آج کون شجاعت اور عزم و ثبات کا حق ادا کرتا ہے۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ ہر قبیلے نے شجاعت اور ثابت قدمی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور مرتدین کا منہ پھیر دیا۔ مسیلمہ نے اپنی فوج میں ہزیمت کے آثار دیکھے تو اس نے اپنے مریدوں کو پکار کر کہا کہ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہو تو بچا لو۔ حضرت اُم عمارہؓ اور حضرت عبداللہؓ شروع ہی سے مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے اب انہوں نے اسے تاک لیا۔ حضرت اُم عمارہؓ زخم پر زخم کھاتی اور اپنی برچھی سے راستہ بناتی اس کی طرف بڑھیں۔ اس کوشش میں انہیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا۔ مسیلمہ کے قریب پہنچ کر اپنی برچھی سے اس پر حملہ کیا چاہتی تھیں کہ دو ہتھیار اس پر ایک ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ اُم عمارہؓ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پہلو میں حضرت عبداللہؓ کو کھڑے پایا اور قریب ہی حضرت وحشیؓ (قاتلِ حمزہؓ) کھڑے تھے۔ وحشیؓ نے اپنا حربہ مسیلمہ پر پھینکا تھا اور عبداللہؓ نے اسی وقت اس پر تلوار کا وار کیا تھا۔ حضرت اُم عمارہؓ اور حضرت عبداللہؓ دونوں حضرت حبیبؓ

کے قاتل اور مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی موت پر سجدۂ شکر بجالائے۔ حضرت خالدؓ نے بڑی تندہی سے حضرت اُمِّ عمارہؓ کا علاج کرایا یہاں تک کہ ان کے تمام زخم مندمل ہو گئے۔

(۴)

اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہؓ بن زید طویل عرصہ تک حیات رہے لیکن خلفائے راشدینؓ اور امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ان کے مشاغل اور سرگرمیوں کے بارے میں کتبِ سیَر خاموش ہیں۔ ۶۳ھ ہجری میں وہ اس وقت منظرِ عام پر آئے۔ جب اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاریؓ کو اپنا امیر بنا لیا۔ یزید کو اہلِ مدینہ کے طرزِ عمل کی اطلاع پہنچی تو اس نے ان کو بزور مطیع بنانے کے لیے ایک مضبوط لشکر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے اہلِ شہر سے اس بات پر بیعت لینا شروع کر دی کہ آخری دم تک یزیدی لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت عبداللہؓ بن زید کو بیعت کے لیے کہا گیا تو انہوں نے پوچھا، بیعت کی شرط کیا ہے؟ جواب ملا ''موت'' انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس شرط پر کسی سے بیعت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہؓ بن حنظلہؓ کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہ کرنے کے باوجود وہ یزید کی حکومت سے سخت بیزار تھے اور اس کے لشکر کے خلاف لڑنا ان کے نزدیک جہاد کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ اپنے دو بیٹوں خلاد اور علی کو ساتھ لے کر دوسرے اہلِ مدینہ کی طرح یزیدی لشکر سے نبرد آزما ہوئے، اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے بیٹوں سمیت شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ برس کے لگ بھگ تھی۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عبداللہؓ بن زید ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ کتبِ حدیث میں ان سے مروی متعدد احادیث موجود ہیں۔ ان کے راویوں میں عباد بن تمیمؒ، سعیدؒ بن مسیبؒ، یحییٰ بن عمارہؒ، عبادہ بن حبیبؒ اور واسع بن حیانؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن زید سے مروی صحیحین کی یہ چار حدیثیں بہت مشہور ہیں۔

(۱) غزوۂ حنین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں خوب مالِ غنیمت تقسیم فرمایا اور تالیفِ قلوب پر بھی خرچ کیا لیکن انصار کو کچھ نہ دیا جس سے انصار کے دل میں کچھ رنج پیدا ہوا کہ اوروں کو بہت کچھ ملا مگر انہیں کچھ نہ ملا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے جماعتِ انصار کیا میں نے تمہیں گمراہ نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور کیا تم جُدا جُدا نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمہیں ملا دیا اور کیا تم مفلس اور بھوکے نہ تھے اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے تمہیں مالدار کر دیا، جب حضورؐ یہ احسانات گنوا رہے تھے تو انصار ہر بات کے جواب میں کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم پر بہت احسان کیے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے اکسایا کہ اللہ کے رسول پر اعتراض کرو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی ہمارے محسن ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو کہ تم بھی تو ایسی تنگی ترشی ہی کی حالت میں ہمارے پاس آئے تھے اور ہم نے تمہاری عزت کی تھی۔ پھر فرمایا، اے گروہِ انصار کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ بکریاں اور مال و منال اپنے گھروں میں لے جائیں اور تم اللہ کے نبی کو اپنے گھر لے جاؤ۔ اگر ہجرت نہ ہوتی (یعنی میں ہجرت کر کے نہ آیا ہوتا) تو میں انصار ہی میں شریک ہوتا۔ اگر لوگ کسی دوسرے راستہ یا وادی کی طرف جائیں تو میں انصار ہی کی وادی کو پسند کروں گا۔ انصار میرے اتنے قریب ہیں کہ دوسرے لوگ اتنے قریب نہیں (یعنی جن کو زیادہ یا تالیفِ قلب کے طور پر مالِ غنیمت دیا گیا ہے) اے انصار میرے بعد تم جلدی اپنے پر غیر کی ترجیح دیکھو گے مگر تمہیں صبر کرنا ہو گا یہاں تک کہ مجھ سے حوض (کوثر) پر آ ملو۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ استسقا کے لیے نکلے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ پھر اپنی چادر کو پھیرا اور دو رکعت نماز پڑھی اور قرأت بلند آواز سے کی (ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ نماز عیدگاہ میں پڑھی۔)

(۳) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ

مجھے نماز میں ہر بار وضو ٹوٹ جانے کا وہم پڑ جاتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب تک ہوا خارج ہونے کی آواز نہ آئے یا بُو نہ آئے اس وقت تک نماز سے نہ پھرو (یعنی ناحق شک اور وہم میں نہ پڑو)۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن زید سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کس طرح کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پانی کا برتن منگایا اور لوگوں کے سامنے وضو کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔

حضرت عبداللہؓ بن زید نے اس طرح وضو کیا۔ انہوں نے پہلے پانی کے برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر برتن سے کلی کے لیے پانی لیا اور کلی کی اور ناک میں پانی دے کر اس کو جھاڑا۔ تین مرتبہ اس طرح کیا۔ پھر برتن سے پانی لے کر تین مرتبہ منہ کو دھویا۔ پھر پانی لے کر دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ کہنیوں تک دھویا۔ پھر پانی لے کر سر کا مسح اس طرح کیا کہ دونوں ہاتھوں کو پیشانی کے اوپر سے لے کر پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لے آئے۔ پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا۔

مُسندِ احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہؓ بن زید پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ ان کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ پانی لائے اور آپؐ نے وضو کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے آپؐ کے وضو کرنے کا طریقہ یاد کر لیا۔ چنانچہ ایک زمانہ کے بعد لوگوں نے ان سے حضورؐ کے وضو کرنے کا طریقہ پوچھا تو انہوں نے خود ان کے سامنے وضو کر کے بتلایا کہ حضورؐ اس طرح وضو کرتے تھے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ
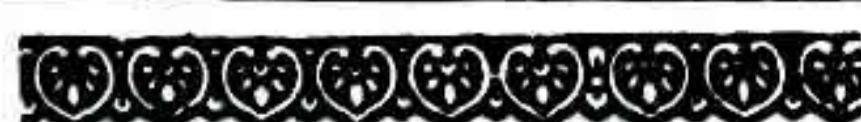
حضرت سُراقہؓ بن عمرو انصاری

سیدنا حضرت سُراقہؓ بن عمرو انصاری کا شمار ان عظیم المرتبت صحابۂ کرامؓ میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے عہدِ رسالت کے ہر شرف سے بہرہ ور کیا اور پھر خلعتِ شہادت سے سرفراز فرمایا۔ ان کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنو نجار (خزرج) سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

سُراقہؓ بن عمرو بن عطیتہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مالک بن نجار۔

حضرت سُراقہؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ اربابِ سیر نے متعین نہیں کیا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے یا فوراً بعد سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔

غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت سُراقہؓ کو سب سے پہلے اصحابِ بدر میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں دادِ شجاعت دی۔

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا عزم فرمایا۔ اس موقع پر چودہ سو صحابۂ کرامؓ (مہاجرین و انصار) آپؐ کے ہم رکاب تھے ان میں حضرت سراقہؓ بن عمرو بھی شامل تھے۔ قریش کو مسلمانوں کے عزمِ مکہ کی اطلاع ملی تو وہ انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے مرنے مارنے پر تل گئے۔ حضورؐ کو کفارِ مکہ کے ارادے کا علم ہوا تو آپؐ راستہ بدل کر حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے اور وہاں سے ایک سفیر قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم صرف

عمرہ ادا کرنے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ قریش تھوڑی مدت کے لیے ہم سے صلح کا معاہدہ کر لیں۔ قریش نے عروہؓ بن مسعود ثقفی کو (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) اپنا سفیر بنا کر مسلمانوں کے پاس بھیجا۔ وہ حضورؐ سے گفتگو کر کے واپس مکّہ گئے اور قریش کو مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کر لیں لیکن قریش نے ان کی بات نہ مانی۔ حضورؐ نے پھر ایک سفیر قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے اس سے بدسلوکی کی۔ ایک روایت کے مطابق اس پر حملہ کیا لیکن وہ بچ گیا۔ اب حضورؐ نے اتمامِ حجت کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز کی حمایت میں مکّہ گئے لیکن قریش نے انہیں مکّہ میں روک لیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ یہ خبر سن کر مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا، اگر یہ خبر صحیح ہے تو جب تک ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے یہاں سے نہ جائیں گے۔ یہ فرما کر آپؐ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور وہاں پر موجود تمام صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کا نام بیعتِ رضوان ہے یعنی اللہ کی خوشنودی کی بیعت کیونکہ یہ بیعت کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب تجھ سے اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔)

حضرت سراقہؓ بن عمرو بھی ان خوش بخت صحابہ میں تھے جن کو بیعتِ رضوان کا عظیم شرف حاصل ہوا۔

بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہ تھی لیکن مسلمانوں کے جوش و خروش اور جذبۂ حق کا یہ اثر ہوا کہ قریش ہمت ہار گئے اور انہوں نے بعض شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال آ کر عمرہ کر لیں (لیکن مکّہ میں وہ صرف تین دن قیام کر سکیں گے)۔ چنانچہ ذیقعدہ ۷ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جمعیت کے ہمراہ

مکہ معظمہ تشریف لائے اور بڑے ذوق و شوق سے عمرۃ القضا ادا کیا۔ اس موقع پر بھی حضرت سراقہؓ بن عمرو کو حضورؐ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔

صلح حدیبیہ کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے رئیسوں اور بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط شرحبیل بن عمرو والیٔ بصریٰ کے نام بھی لکھا اور حارثؓ بن عمیر ازدی کو یہ خط دے کر شرحبیل کے پاس بھیجا۔ اس ظالم نے حضرت حارثؓ کو شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے حضرت حارثؓ کا بدلہ کے لیے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں روانہ کیا۔ اس لشکر میں حضرت سراقہؓ بن عمرو بھی شامل تھے۔ اُدھر شرحبیل کی مدد کے لیے قیصرِ روم نے ایک جرار لشکر بھیج دیا۔ مسلمان اور نصرانی مُوتہ کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو ان میں ایک اور چالیس کی نسبت تھی لیکن مسلمان اللہ کے بھروسے پر دشمن کی مہیب طاقت سے ٹکرا گئے۔ سپہ سالار حضرت زیدؓ بن حارثہ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے علَم سنبھالا وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری نے قیادت سنبھالی، انہوں نے بھی جامِ شہادت پیا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے مسلمانوں کی کمان ہاتھ میں لی اور اس بہادری سے لڑے کہ مسلمانوں کو دشمن کے ٹڈی دل کی زد سے نکال لائے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے علاوہ جن سرفروشوں نے اس لڑائی میں اپنی جانیں حق کی خاطر قربان کیں حضرت سراقہؓ بن عمرو انہی میں شامل تھے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

حضرت زیادؓ بن لبید انصاری

①

سیدنا حضرت ابو عبداللہ زیادؓ بن لبید مدینہ منورہ کے ان بہتر نفوسِ قدسی میں سے ایک ہیں جنھوں نے ۱۳ھ بعدِ بعثت میں مکہ کے دُرِّ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اپنی جان، مال اور اولاد کی طرح آپؐ کی حفاظت و نصرت کا عہد کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب کا ذرہ ذرہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے نام لیواؤں کے خون کا پیاسا تھا اور آپؐ کو اپنے ہاں بلانا اہلِ مکہ ہی کو نہیں سارے عرب کو دعوتِ مبارزت دینے کے مترادف تھا۔ لیکن اللہ کے ان پاکباز بندوں نے اپنا سب کچھ راہِ حق میں داؤ پر لگا دیا نہ کسی خطرے کو خاطر میں لائے اور نہ کسی مصیبت اور ملامت کو۔ لیلۃ العقبہ کی بیعت نے ان کو ایک ایسا شرف عطا کر دیا جو قیامت تک ان کی جلالتِ قدر کا نشان بنا رہے گا۔ حضرت زیادؓ بن لبید کا تعلق قبیلۂ خزرج کی شاخ "بنو بیاضہ" سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

زیادؓ بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج۔

حضرت زیادؓ بن لبید اپنے خاندان کے کھاتے پیتے لوگوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ مدینہ منورہ میں اسلام کے مبلغِ اوّل حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی سے اوس اور خزرج کے جن نیک نفس لوگوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہا، حضرت زیادؓ بن لبید بھی ان میں شامل تھے۔ اس طرح وہ انصار کے سابقین اوّلین کی مقدس جماعت کا رکن بن گئے۔ ۱۳ھ بعدِ بعثت میں انہوں نے بیعت عقبۂ کبیرہ میں

شرکت کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی ۔ اس بیعت کے بعد جب مدینہ میں مہاجرین کی آمد شروع ہوئی تو حضرت زیادؓ، مدینہ کے تین دوسرے بزرگوں، حضرت ذکوانؓ بن عبد قیس، حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ اور حضرت عقبہؓ بن وہب کے ساتھ مکہ پہنچے اور کچھ عرصہ کے بعد بہت سے مکی صحابہؓ کے ساتھ واپس آئے ۔ اس بناء پر یہ اصحاب مہاجری انصاری کے لقب سے مشہور ہوئے ۔

(۲)

مکہ سے ہجرت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن قُبا میں قیام فرمایا ۔ پھر آپؐ ایک مقررہ دن کو خاص مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ۔ یہ دن مدینہ منورہ کی تاریخ کا سب سے تابناک دن تھا ۔ انصارِ مدینہ نے والہانہ ذوق و شوق سے آپؐ کا استقبال کیا اور حقیقی معنوں میں اپنے دیدہ و دل آپؐ کے سامنے فرشِ راہ کر دیئے ۔ حضور بنو بیاضہ کے محلے سے گزرے تو حضرت زیادؓ بن لبید نے اَھْلاً وَسَھْلاً کہا اور قیام کے لیے اپنا مکان پیش کیا لیکن کارکنانِ قضاء و قدر نے اس شرف کے لیے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کو منتخب کر رکھا تھا اس لیے حضورؐ نے ان سے فرمایا (جیسا کہ آپؐ مکان پیش کرنے والے دوسرے اصحاب سے کہہ چکے تھے) "میری اونٹنی کو آزاد چھوڑ دو، یہ حکم کی پابند ہے، اللہ کی جانب سے خود منزل تلاش کرے گی ۔"

مدینہ منورہ میں حضورؐ کے مستقل قیام کے بعد حضرت زیادؓ بن لبید اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب خوب بہرہ یاب ہوتے ۔ اس طرح وہ فضلاءِ صحابہؓ میں شمار ہونے لگے ۔ جامع ترمذی میں ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اب علم کے اٹھنے کا وقت آ پہنچا ۔ حضرت زیادؓ کو بارگاہِ نبویؐ میں اتنا تقرب حاصل تھا کہ وہ بے تکلفی سے بات کر لیتے تھے ۔ انہوں نے عرض کیا :

"یا رسول اللہ اب تو علم لوگوں کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا ہے اس کے اٹھنے کا وقت کیسے آ گیا ۔"

حضورؐ نے ان کی اس جسارت کو کم فہمی پر محمول فرمایا اور ذرا سخت الفاظ میں یوں

فہمائش کی:

"اے زیاد تیری ماں تجھ کو روئے میں تو تم کو بہت دانا آدمی سمجھتا تھا۔ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ یہود اور نصاریٰ تورات اور انجیل پڑھتے ہیں لیکن اس سے کچھ نفع نہیں حاصل کرتے۔"

حضرت زیادؓ اس فہمائش پر لرز اٹھے اور عرض کیا، "بے شک یارسول اللہ، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ نے سچ فرمایا۔"

حضرت زیادؓ کو جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے بدر، اُحد، احزاب، اور عہدِ رسالت کے اکثر دوسرے غزوات میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

(۳)

محرم ۹ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے کے لیے الگ الگ محصّلین مقرر فرمائے تو حضرت زیادؓ بن لبید کو حضرموت کا محصّل مقرر فرمایا اور ساتھ ہی وہاں کا عامل بھی۔ حضورؐ صرف اسی شخص کو کسی منصب پر فائز کرتے تھے جو خود اس کا خواہشمند نہ ہو اور اس کی ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن نبایہنے کا اہل ہو۔ حضورؐ کے مقرر کیے ہوئے اس معیار کی روشنی میں حضرت زیادؓ کے کردار اور قابلیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑکے تو اہلِ یمن کی ایک بڑی تعداد بھی اس فتنہ کی لپیٹ میں آگئی اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔۔۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت مہاجرؓ بن امیّہ کو نجران، کندہ اور حضرموت کے مرتدین کی سرکوبی پر مامور فرمایا اور حضرت زیادؓ بن لبید کو بھی ان کا ساتھ دینے کے لیے لکھا۔ حضرت مہاجرؓ بن امیّہ نجران اور صنعاء کے مرتدین کو کچل کر کندہ کی طرف بڑھے۔ مآرب اور حضرموت کے درمیان پہنچے تو حضرت زیادؓ بن لبید کا خط ملا جس میں کندہ پر جلد سے جلد حملہ کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ یہ خط ملتے ہی حضرت مہاجرؓ تیزی سے چل کر

حضرت زیادؓ کے پاس پہنچ گئے۔ کندہ میں چار قلعے تھے جن کو محجر کہتے تھے۔ اہلِ کندہ کا سردار (یا بادشاہ) اشعث بن قیس قلعہ زبرقان میں تھا۔ حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ نے زبرقان پر حملہ کیا۔ مرتدین تابِ مقاومت نہ لا سکے اور بھاگ کر قلعہ نجیر میں چلے گئے۔ حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ نے اس کا نہایت سختی سے محاصرہ کر لیا۔ جب اشعث محاصرہ سے تنگ آگیا تو اس نے حضرت زیادؓ کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کو امان دے دیں تو میں قلعہ آپ کے سپرد کر دوں گا۔ حضرت زیادؓ نے اس کو منظور کر لیا اور اشعث کو کہلا بھیجا کہ معاہدہ لکھ کر لے آؤ میں اس پر اپنی مہر ثبت کر دوں گا۔ وہ معاہدہ قلمبند کر کے لایا تو حضرت زیادؓ نے حسبِ وعدہ اس پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ اس کے بعد اشعث نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ مرتدین کی ایک جمعیت نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن ان میں سے بیشتر مارے گئے اور باقی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ عہد نامہ دیکھا گیا تو اس میں اشعث بن قیس کا نام نہیں تھا وہ گھبراہٹ میں اپنا نام لکھنا بھول گیا تھا۔ اس لیے دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا گیا جہاں اس نے ارتداد سے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت زیادؓ نے مرتدین پر شب خون مار کر فتح حاصل کی اور اشعث بن قیس کو گرفتار کر کے خلیفۃ الرسولؐ کے پاس بھیج دیا۔ بہرصورت حضرت زیادؓ نے مرتدین کے استیصال کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کا خاتمہ کر دیا۔ صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں حضرت زیادؓ کو حضرموت کی امارت پر قائم رکھا۔ اس منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے کوفہ (یا بروایتِ دیگر شام) کی سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۴۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت زیادؓ بن لبید سے چند احادیث مروی ہیں جن کو عوف بن مالکؓ، سالم بن ابی الجعدؒ اور جبیر بن نفیرؒ نے روایت کیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت حسّان رضؓ بن ثابت انصاری

(شاعرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم)

①

دورِ جاہلیت کے عَرَب اُمّی ہونے کے باوجود اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر اس زمانے کی بہت سی قوموں پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ ناخواندہ، ناشائستہ اور غیر مہذّب تھے لیکن زبان کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اپنی خطابت و شاعری پر اُن کو اس قدر ناز تھا کہ دنیا کی دوسری قوموں کو عَجَم (گونگا) قرار دیتے تھے۔ ہر قبیلہ کا شاعر اپنی قوم کے فضائل و محامد کا علمبردار ہوتا تھا۔ یہ لوگ اپنے زورِ بیان سے جس کو چاہتے سربلند کر دیتے تھے اور جس کو چاہتے بدنام و رسوا کر ڈالتے ذاتی پسند یا ناپسند کے علاوہ وہ اپنی شاعری کو قومی اور سیاسی ضروریات کے لیے بھی استعمال کرتے تھے۔ قبائل کی عزت و ناموس اور حکمرانوں کی آبرو ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی، اس لیے بڑے بڑے سردار اُن کے آگے آنکھیں بچھاتے تھے اور بڑے بڑے سورما ان سے خوف کھاتے تھے۔ جب وہ کسی کی مدح یا ہجو میں شعر کہتے تو وہ بہتی رَو کی طرح سارے عرب میں پھیل جاتے اور زبان زدِ عوام و خواص ہو جاتے۔ عربوں کے یہی لیل و نہار تھے کہ عرب کی "وادیٔ غیر ذی زرع" میں محمدِ عَرَبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔۔۔ آپؐ کی دعوتِ توحید کا مشرکینِ مکّہ نے جو جواب دیا اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؐ اپنا گھر بار اور وطنِ عزیز چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے لیکن مشرکینِ نافرجام کا دل اس سے بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور ان کے شعراء نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی ہجو میں

اشعار کہہ کہہ کر عرب میں پھیلانے شروع کر دیئے۔ یہ اشعار چند دن کے اندر اندر ہزاروں میل دور تک پہنچ جاتے تھے اور مدینہ منورہ تو مکہ سے صرف تین سو میل دور تھا جب مسلمانوں تک آئے دن ایسے اشعار پہنچنے لگے تو ان کو سخت تکلیف ہوئی اور انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے درخواست کی کہ آپ شعرائے مکہ کی ہجووں کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا، میں اس کام کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں۔ ان کا جواب سُن کر صحابہ کرامؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی:

"یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، شعراءِ مشرکین آپؐ کی اور آپؐ کے جاں نثاروں کی ہجویں کہہ کہہ کر عرب میں ان کی اشاعت کر رہے ہیں۔ آپ ارشاد فرمائیں تو علیؓ ان کی خرافات کا جواب دیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "علی اس کام کے لیے موزوں نہیں ہیں۔"

پھر آپؐ نے انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "جن لوگوں نے میری تلوار سے مدد کی ہے کیا وہ اپنی زبان سے میری مدافعت نہیں کر سکتے ؟"

حضورؐ کا ارشاد سُن کر پختہ عمر کے ایک انصاری صاحب رسولؐ اٹھ کھڑے ہوئے، اپنی زبان نکال کر حضورؐ کو دکھائی اور پھر بڑے جوش سے عرض کی:

"یا رسول اللہ اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ خدا کی قسم مجھے بصرٰے شام اور صنعائے یمن کے درمیان اس کلام سے زیادہ کوئی کلام پسند نہ ہوگا جو دشمنانِ رسالت کے جواب میں ہو۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم ان لوگوں کی ہجو کیسے کرو گے جن کے خاندان سے میں خود ہوں۔"

انہوں نے عرض کی:

"اے اللہ کے سچے رسول میں آپؐ کو ان میں سے اس طرح نکالوں گا جس طرح آٹے کے خمیر میں (یا گندھے ہوئے آٹے میں) سے بال کھینچ لیا جاتا ہے۔"

حضورؐ نے ان صاحب کی پیشکش کو بنظرِ تحسین دیکھا اور ان کو مشرکین کی ہجو گوئی کا جواب دینے کی خدمت تفویض فرما دی ـــــ پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ ان صاحبؓ نے اپنے زورِ کلام سے ایک طرف تو شعراءِ مشرکین کا ناطقہ بند کر دیا اور دوسری طرف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف بیان کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ یہ خوش بخت صاحبِ رسولؐ جن کو دربارِ نبیؐ کا سب سے بڑا شاعر اور مداح ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا، حضرت حسّانؓ بن ثابت انصاری تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت حسّانؓ بن ثابت کا تعلق قبیلہ خزرج کی معزز ترین شاخ بنو نجّار سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

حسّانؓ بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجّار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

ان کی مشہور کنیت ابوالولید ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ابوالحسام اور ابوعبدالرحمٰن کنیتیں بھی آئی ہیں۔ شاعرِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لقب تھا۔ والدہ کا نام فریعہ بنتِ خالد تھا۔ وہ خزرج کے خاندان بنو ساعدہ سے تھیں اور رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ کی بنتِ عم ہوتی تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

فریعہؓ بنتِ خالد بن خنیس بن لوذان بن عبد ود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ۔

ان کو بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت حسّانؓ نے جس خاندان میں ہوش کی آنکھیں کھولیں وہ شعر و شاعری سے لگاؤ اور طویل العمری کی بناء پر خاص شہرت کا حامل تھا۔ حضرت حسّانؓ کے پڑدادا حرام بن عمرو نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ ان کے دادا منذر کی عمر بھی ایک سو بیس برس کی ہوئی۔ باپ ثابت بھی ایک سو بیس برس زندہ رہے۔ خود حضرت حسّانؓ نے

بھی اتنی ہی عمر پائی۔ مبرد نحوی کا بیان ہے کہ شاعری حضرت حسّانؓ کے خاندان میں کئی پشتوں تک رہی۔ ان کے پڑدادا، دادا اور باپ بھی شاعر تھے اور بیٹے اور پوتے بھی۔ رہی ان کی اپنی شاعری تو اس میں انہوں نے وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے دور کے بہترین شاعر تسلیم کیے گئے۔ مشہور ناقدِ سخن ابوعبیدہؒ کا قول ہے کہ حضرت حسّانؓ کی تین خصوصیات ان کو دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتی ہیں:

۱۔ وہ دورِ جاہلیت میں خزرج (یا اہلِ مدینہ) کے شاعر تھے۔

۲۔ عہدِ رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے۔

۳۔ زمانۂ اشاعتِ اسلام میں تمام یمن کے بہترین شاعر تھے۔

ابوعبیدہؒ ہی کا قول ہے کہ بالاتفاق صحرا کے تمام باشندوں میں اہلِ مدینہ کے پھر قبیلہ عبدالقیس کے اور پھر بنو ثقیف کے اشعار اچھے ہیں اور اہلِ مدینہ میں سب سے بڑے شاعر حسّانؓ ہیں۔

حضرت حسّانؓ کے آباؤ اجداد اپنے قبیلے کے رئیس تھے۔ قلعۂ فارع جو مسجدِ نبوی سے مغرب کی جانب باب الرحمۃ کے سامنے واقع تھا، اُن کا مسکن تھا۔

حضرت حسّانؓ ہجرتِ نبوی سے ساٹھ پینسٹھ برس پہلے پیدا ہوئے، اور ہجرتِ نبوی کے موقع پر ساٹھ یا پینسٹھ سال کی عمر میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا جتنا عرصہ جاہلیت میں گزارا، قریب قریب اتنا ہی عرصہ حالتِ اسلام میں جیئے۔ اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے سے پہلے وہ تمام عرب میں اپنی شاعری کا سکہ بٹھا چکے تھے اور عرب کا بچہ بچہ انہیں ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے جانتا تھا۔

قبولِ اسلام سے پہلے حضرت حسّانؓ کے لیل و نہار کیا تھے؟ مختلف مؤرخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ اوس اور خزرج کی باہمی جنگوں میں وہ اپنے قبیلے کی تعریف میں پُرجوش اشعار کہتے تھے اور اس کو انتقامی کارروائیوں پر ابھارتے تھے۔ لڑائیوں سے فرصت ملتی تو ملوکِ حیرہ و غسان

کے درباروں میں چلے جاتے اور ان کی شان میں پُرزور قصیدے کہہ کر انعام و اکرام وصول کرتے۔ ملوکِ غسان (آلِ جفنہ) کی مدح میں ان کا یہ رنگ تھا:۔

یُغشَونَ حَتّٰی مَا تَھِرُّ کِلَابُھُم لَا یَسئَلُونَ عَنِ السَّوَادِ المُقبِلِ

بِیضُ الوُجُوہِ کَرِیمَۃٌ اَحسَابُھُم شُمُّ الاُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الاَوَّلِ

" یعنی وہ (ان کے ممدوح) اس قدر فیاض ہیں کہ ان کے یہاں ہمیشہ مہمان آتے رہتے ہیں۔ ان کے کُتّے اجنبیوں پر بھونکتے نہیں (مطلب یہ کہ ان کے پاس اس کثرت سے مہمان آتے ہیں کہ ان کے کُتّے ان سے مانوس ہو گئے ہیں اور ان پر بھونکتے نہیں) اور نہ وہ خود کسی سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہے کہاں سے اور کس مقصد کے لیے آیا ہے۔"

یہ گورے چہروں اور اعلیٰ حسب والے پچھلے لوگوں میں سے اونچی ناکوں والے ہیں ——— "

اہلِ عرب بادشاہوں کی مداحی کو نہایت ذلیل پیشہ سمجھتے تھے لیکن حضرت حسانؓ ملوکِ غسان یا آلِ جفنہ کی مدح صرف اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ دل کھول کر انعام دیا کرتے تھے بلکہ اس لیے بھی کہ وہ ان کے یک جدی تھے۔ ان کی ثنا خوانی کو وہ اپنی قوم کی مدح سمجھتے تھے اور اپنی قوم کی مدح کرنا اور اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا ہر عرب شاعر اپنا حق سمجھتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسانؓ کا قبیلہ خزرج "ازد" کی ایک شاخ تھا اور علمائے انساب کے نزدیک "ازد" بنو قحطان ہیں اور ان کا اصلی وطن یمن ہے حضرت حسانؓ کا سلسلۂ نسب ایک جانب سے غساسنہ یا آلِ جفنہ تک پہنچتا ہے جو شام کی غسانی ریاست کے حکمران تھے اور دوسری طرف لخمیین سے جو عراقِ عرب میں واقع حیرہ کے بادشاہ تھے کیونکہ ان سب کا مورثِ اعلیٰ عمرو مزیقیاء بن عامر بن ماء السماء تھا۔ عمرو مزیقیا کا ایک بیٹا جفنہ نامی شام کا پہلا بادشاہ تھا اس کی نسل سے کم و بیش انیس بادشاہ ہوئے۔ اسی کے نام کی نسبت سے غساسنہ کو آلِ جفنہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت حسانؓ آلِ جفنہ کی مدح بڑے اچھوتے انداز میں کرتے ہیں:

اولاد جفنة حول قبر ابیهم
قبر ابن ماریة الکریم المفضل

یعنی جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابنِ ماریہ کی قبر کے گرد رہتی ہے جو نہایت سخی اور فیاض تھا۔

مطلب یہ کہ آلِ جفنہ عرب کے عام قبائل کی طرح خانہ بدوش نہیں ہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور دلجمعی کے ساتھ اپنے باپ کی قبر کے ارد گرد رہتے ہیں۔ ان کی جائے سکونت بہت سرسبز اور شاداب ہے اس لیے ان کو صحراؤں کی خاک چھاننے کی ضرورت نہیں۔

خود حضرت حسانؓ کو اپنی شرافتِ نسبی پر بڑا ناز تھا۔ ایک دفعہ کسی شاعر نے ان کے سامنے اپنے آباؤ اجداد کی تعریف میں کچھ اشعار پڑھے جن میں اپنے حسب و نسب کو دوسروں کے حسب و نسب پر فوقیت دی گئی تھی۔

حضرت حسّانؓ نے اس کے جواب میں کہا :-

الم ترنا اولاد عمرو بن عامر	لنا شرف یعلو علی کل مرتق
رسا فی قرار الارض ثم سمت له	فروع تسامی کل نجم محلق
ملوک و ابناء الملوک کاننا	سواری نجوم طالعات بمشرق
اذا غاب منها کوکب لاح بعده	شهاب مثنی ما یبد والارض تشرق

یعنی۔ کیا تو نہیں جانتا کہ ہم عمرو بن عامر کی اولاد میں سے ہیں۔ ہم کو ایک ایسا نسبی فخر حاصل ہے جو ہر بلند مرتبہ شخص پر فوقیت رکھتا ہے۔

ہماری خاندانی جڑیں زمین کی تہہ تک پہنچ گئی ہیں پھر اس سے ایسی شاخیں بلند ہوئیں جو ہر بلند ستارہ کا مقابلہ کرتی ہیں۔

ہم میں بادشاہ اور شاہزادے پیدا ہوتے رہے ہیں گویا ہم چمکتے ہوئے ستارے ہیں جو مشرق سے طلوع ہوتے رہے ہیں جب ان کا کوئی ایک ستارہ غائب ہوا تو دوسرا نمودار ہوگیا جو زمین کو برابر روشن کرتا رہا۔

زمانۂ حال کے بعض فاضل محققین نے خزرج و اوس (انصار) کو نابت بن اسمٰعیل کی اولاد ثابت کیا ہے (یعنی قحطانی نہیں بلکہ عدنانی) لیکن حضرت حسّان کے دور میں